ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲۵ جنوری ۱۹۹۳ء

☆ پاکستان پر بھی قیامت صغریٰ وارد ہو سکتی ہے!

☆ مسلمانوں کے اعمال دیکھ کر لوگ اسلام سے بھاگ رہے ہیں

☆ مظاہرے کا مخصوص اور منظم انداز متاثر کن تھا

لمحہ فکریہ!

ہمارے لئے مہلت عمل بہت ہی کم باقی رہ گئی ہے اور اگر تین چار سالوں کے اندر اندر یہاں اسلامی انقلاب برپا نہ ہوا تو نہ صرف یہ ملک "تحلیل" ہو جائے گا بلکہ یہ' خاکم بدہن' پورے برعظیم ہندوپاک سے بالکل سپین کے مانند اسلام اور مسلمان دونوں کے کامل خاتمے کی تمہید ہوگی۔ اور مستقبل کا مورخ "خون دو عالم میری گردن پر!" کے مصداق اس کی پوری ذمہ داری تحریک پاکستان اور اس کے زعماء و قائدین پر عائد کرے گا!--- لیکن اصل قابل غور مسئلہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے طریق کار اور اسلامی انقلاب کے منہج و منہاج کا ہے۔ جس کے واضح شعور اور صحیح ادراک کے بغیر اس مہم کا سر ہونا محال ہے!

..... تاہم حالات کی سنگینی اور وقت کی نزاکت کے پیش نظر راقم کا مشورہ یہ ہے کہ فوری طور پر تمام دینی اور مذہبی جماعتیں اور جملہ اہم دینی و روحانی شخصیتیں دو محاذوں کی صورت میں منظم ہو جائیں جن میں سے ایک "دینی سیاسی محاذ" ہو جس میں وہ تمام جماعتیں شریک ہو جائیں جو ملکی انتخابات میں حصہ لے کر سیاسی عمل کے ذریعے نفاذ اسلام کے لئے زور لگائیں' اور دوسرا "اسلامی انقلابی محاذ" ہو جو خالص مزاحمتی تحریک (رزسٹنس موومنٹ) کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے اور اس کے سلسلے میں "باللسان" یعنی وعظ و نصیحت سے آگے بڑھ کر مناسب قوت فراہم ہونے پر "بالید" یعنی قوت کے ساتھ بدی کے استیصال کے لئے کمربستہ ہو جائے اور منظم اور پرامن احتجاجوں' مظاہروں اور ہڑتالوں کے ذریعے غیر اسلامی اور ظالمانہ نظام کا راستہ روکتے ہوئے بالآخر سول نافرمانی اور سرکاری محصولات کی عدم ادائیگی کے ذریعے انقلاب برپا کر دے!○○

(تفکر و تذکر۔ ڈاکٹر اسرار احمد)

قیمت ۵ر روپے

تحریک خلافت کا آئندہ کنونشن اس شان سے کریں کہ پورا ملک گونج اٹھے!

ساتھیو مشعلوں کو تیز کرو

تحریک خلافت کی کنوینگ کمیٹیوں کے اراکین کے خصوصی اجلاس کی مختصر روداد

رپورٹ : خالد بشیر

تحریک خلافت پاکستان کی رجسٹریشن کے بعد ۱۵ر جنوری ۱۹۹۳ کو تحریک کی کنوینگ کمیٹیوں کے اراکین کا اجلاس بعد عصر قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا جس کے لئے باقاعدہ دعوت نامے ناظم تحریک جناب عبدالرزاق نے ۲۶ر دسمبر کو ارسال کئے تھے۔

شرکاء اجلاس جن کی تعداد ساٹھ تھی وقت مقررہ سے پہلے ہی قرآن اکیڈمی پہنچ چکے تھے۔ صلوٰۃ عصر ادا کی تحریک جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی امامت میں ادا کرنے کے بعد تمام شرکاء نے اپنے نام رجسٹر کروائے۔ عصرانہ کے بعد تعارفی تقریب منعقد ہوئی۔ تعارف کے بعد جناب عبدالرزاق نے اعلان کیا کہ مغرب کی نماز قرآن کالج کی مسجد میں ادا کی جائے گی' اس کے بعد کالج ہال میں باقاعدہ اجلاس ہوگا۔ پونے چھ بجے داعی تحریک ہال میں تشریف لائے۔ سورۂ نور کی آیات ۵۴ تا ۵۶ کا ترجمہ اور تفسیر حافظ عاکف سعید صاحب نے بیان کی۔ ناظم تحریک نے خصوصی اجلاس کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ تحریک خلافت پاکستان کی رجسٹریشن کے بعد کل پاکستان معاونین تحریک خلافت کنونشن بلانے کے لئے بغرض مشورہ آپ کو طلب کیا گیا ہے۔ انہوں نے تحریک کی گذشتہ کارکردگی بیان کی کہ ۱۰ ستمبر ۹۱ء کو فیصل آباد میں ایک جلسہ عام سے تحریک خلافت کے عوامی رابطے کا آغاز کیا گیا۔ اب تک تیس سے زائد مقامات پر داعی تحریک عام جلسوں سے خطاب کر چکے ہیں۔ دانشوروں کی سطح پر قرآن کالج آڈیٹوریم میں ملک کے نامور علماء کرام اور دانشوروں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا۔ اس طرح تحریک خلافت کی وہ خفیف آواز ایک زبردست گونج بن کر ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ ۳ر مارچ ۹۲ء کو تحریک خلافت کا پہلا کنونشن راولپنڈی میں ہوا جس میں ساڑھے چار سو معاونین شریک ہوئے۔ تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے ڈیڑھ سو جلسوں کا انعقاد کیا گیا۔ خلافت کے پیغام کو عام کرنے کے لئے تمام ممکنہ ذرائع کا سہارا لیا گیا۔ ڈیڑھ لاکھ کی تعداد میں چار ورقہ تقسیم کرایا گیا۔ اب تک تین ہزار سے زائد لوگ تحریک خلافت کے معاونین بن چکے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ رجسٹریشن نہ ہو سکنے کی وجہ سے کام میں کچھ کمی رہ گئی تھی جس کی کسر اب پوری کر دی جائے گی۔ تحریک خلافت کا مالیاتی نظام رجسٹریشن نہ ہو سکنے کی وجہ سے قائم نہیں کیا گیا تھا' جو جلدی ہی قائم کر دیا جائے گا۔ ایک بھائی کے استفسار پر انہوں نے جواباً کہا کہ اب خواتین کو بھی تحریک خلافت کا معاون بنایا جا سکتا ہے۔ پھر انہوں نے شرکاء اجلاس کو دعوت عام دی کہ مشورے اور تجاویز پیش کریں۔

رحیم یار خان سے آئے ہوئے خالد بشیر نے کہا کہ گذشتہ ایک سال کی کارکردگی کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیا جائے۔ ہر تحصیل کی سطح پر معاونت سازی کر کے وہاں باقاعدہ عہدے دار مقرر کئے جائیں اور باقاعدہ دفاتر قائم کئے جائیں۔ فی تحصیل کم از کم تین سو معاونین بنائے جائیں پھر وہاں جلسہ عام منعقد کیا جائے جس سے مرکزی عہدے دار خطاب کریں۔ اس کے بعد ملک گیر کنونشن کا انعقاد کیا جائے۔

صوبہ سندھ سے آئے ہوئے غلام محمد سومرو صاحب نے تجویز دی کہ صوبوں کی تقسیم کا ذکر منشور خلافت میں جس انداز میں کیا گیا ہے وہ ہمارے سندھی بھائیوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس کی بجائے اگر صرف یوں کہا جائے کہ زبان اور کلچر کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظامی سہولت کے پیش نظر صوبوں کی نئی حد بندی کی جائے گی' تو یہ بات زیادہ قرین مصلحت ہو گی۔ فیصل آباد کے انور کمال نے کہا کہ وقت کی قلت کی بنا پر وہ اپنی تجاویز پڑھنے کی بجائے واپس جا کر ارسال کر دیں گے۔ سرگودھا سے آئے ہوئے محمد افضل اعوان صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کو ایک بار پھر سرگودھا کا دورہ کرنا چاہئے اور لاہور کے علاوہ بھی دوسرے شہروں میں جمعہ کے خطبوں کا سلسلہ شروع کریں۔ ملتان کے عبدالودود نے تجویز دی کہ جہاں ڈاکٹر صاحب نہیں گئے ان مقامات کا بھی دورہ کریں۔ انہوں نے داعی تحریک کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ جس طرح انہوں نے رفقائے تنظیم اسلامی سے ذاتی سطح پر تعلقات قائم کر رکھے ہیں اسی طرح معاونین سے تعلقات میں بھی "پرسنل ٹچ" دیں۔ انہوں نے گلہ کرتے ہوئے کہا کہ تحریک کا کام جس دھماکہ سے شروع ہونا چاہئے تھا ویسا نہیں ہوا۔ اب ایسے دھماکہ سے کنونشن کریں کہ سارا ملک گونج اٹھے۔ انہوں نے یقین دلاتے ہوئے کہا کہ کنونشن کو کامیاب بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد تحریک خلافت کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ ان کا خطاب ڈیڑھ گھنٹہ پر محیط تھا۔ انہوں نے ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں امت مسلمہ کی موجودہ حالت زار کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ اس وقت تاریخ کے دھارے پر ہم کہاں کھڑے ہیں؟ انہوں نے قرآن کا فلسفہ انقلاب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم عذاب ادنیٰ سے دوچار ہیں جو رسولوں کی امت اجابت پر آتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے عوامی سطح پر توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ دجالیت کا دور شروع ہو چکا ہے۔ دنیا نظام دجال کو پہنچ گئی ہے۔ انہوں نے پر سوز آواز میں پکار کر کہا "ساتھیو مشعلوں کو اور تیز کرو" اقامت دین کا کام تنظیم اسلامی کر رہی ہے اور اب رابطہ عوام کا کام ہے' جس کے لئے تحریک خلافت پاکستان قائم کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ان کا پہلا فیصلہ تھا کہ ہر رفیق تحریک کا معاون بھی ہوگا۔ لیکن اب مشوروں کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ رفقاء کے لئے لازمی نہیں ہے کہ وہ معاون بھی بنیں۔ تمام مشاورتی اجلاسوں میں غالب اکثریت نے تحریک خلافت کو علیحدہ تنظیم کے طور پر منظم کرنے کی رائے دی۔ لہٰذا اب تحریک' ایک علیحدہ تنظیم کے طور پر کام کرے گی۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۴

۲۵ر جنوری ۱۹۹۳ء

2

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

○

قیمت فی پرچہ: ۵/- روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۰۰/- روپے

○

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۸ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۰ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۱۲ " "

افتتاحیہ

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

"ندائے خلافت" کے گذشتہ شمارے میں تحریک خلافت پاکستان کا دستور ہدیہ قارئین کیا گیا تھا۔ یہ دراصل اس بات کا مظہر تھا کہ تحریک کا قافلہ جو رجسٹریشن کی رکاوٹ کے باعث کچھ ٹھہر سا گیا تھا' اب جادہ پیائی کے لئے پر تول رہا ہے۔ بحمداللہ جیسا کہ قارئین اس شمارے کے مطالعے سے خود اندازہ لگالیں گے' قافلہ تحریک خلافت نے سفر کا آغاز کر دیا ہے۔ چنانچہ جمعہ ۱۵ر جنوری کو لاہور میں منعقد ہونے والا وہ خصوصی اجلاس جس میں ملک کے مختلف شہروں میں قائم تمام کنوینگ کمیٹیوں کے اراکین کو مدعو کیا گیا تھا' اس معاملے میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تحریک خلافت کے دستور میں قارئین نے یہ بات نوٹ کی ہوگی کہ ہم نے کوئی بلند بانگ دعاوی نہیں کئے' آسمان کے تارے توڑ لانے کی ڈینگ نہیں ماری' برسرزمین رہ کر بات کی ہے۔ ہم نے دستور میں یہ بات وضاحت سے طے کر دی ہے کہ تحریک خلافت کا اصل مقصد یہ ہے کہ عوام الناس کے ذہنوں میں نظام خلافت کے بارے میں جو غلط فہمیاں اور بدگمانیاں لاعلمی کے باعث موجود ہیں' انہیں دور کیا جائے' نظام خلافت کی برکات سے عوام کو آگاہ کیا جائے' انہیں ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے' گویا نظام خلافت کا ایک شعور اجاگر ہو جائے' اور اس کے قیام و نفاذ کے لئے ایک پیاس پیدا ہو جائے۔

باقی جہاں تک اس نظام کو برپا کرنے کا تعلق ہے تو سیدھی سی بات ہے کہ ایک ہمہ گیر انقلابی جدوجہد کے بغیر یہ منزل سر ہونے والی نہیں۔ اس کے لئے وہ سرفروش درکار ہوں گے جو پہلے اپنے وجود پر اسلام کو نافذ کریں اور اس کی خاطر معاشرے سے ٹکر لینے کے لئے تیار ہوں اور پھر ایک منظم اجتماعیت میں منسلک ہو کر انقلابی جدوجہد کے لئے سر سے کفن باندھ لیں اور اپنی جان قربان کرنے کے لئے ذہنا آمادہ ہوں۔ اس مقصد کے لئے "تنظیم اسلامی" اپنے محدود وسائل اور مٹھی بھر افرادی قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہے اور ابھی انقلابی مراحل کے ابتدائی درجے میں ہے۔ معاونین تحریک خلافت میں سے جو احساس فرض کے تحت انقلابی جدوجہد کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے وہ تنظیم کے قافلے میں شریک ہو کر اس جدوجہد کو مزید تقویت دینے کا باعث بنیں گے' جبکہ تحریک خلافت اپنی جگہ قیام نظام خلافت کی راہ ہموار کرنے کا اہم کام سرانجام دے گی اور یوں یہ قافلہ اللہ کی تائید و توفیق سے اپنی منزل کی جانب پیش رفت جاری رکھے گا تا آنکہ "نظام خلافت" بالفعل قائم و نافذ ہو جائے۔ **وما ذالک علی اللہ بعزیز** ○○

الہدیٰ

سورۃ البقرہ

(آیت ۱۴۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے' وہ اسی کی طرف رخ کرنے والا ہے' پس تم سبقت کرو نیکیوں میں'

(کہ ہر امت نے اپنے اپنے قبلے کے لئے ایک جہت معین کرلی ہے' کسی کا رخ مشرق کی طرف ہے اور کسی کا مغرب کی جانب' کسی نے شمال کو اپنا قبلہ ٹھہرایا ہے اور کوئی جنوب کو اپنا قبلہ گردانتا ہے۔ چنانچہ اس معاملے میں جھگڑنا اور اپنے قبلے کے حق میں دوسرے کو قائل کرنے کے لئے بحث و تکرار کرنا محض وقت کا ضیاع ہے۔ یہ بڑے بھاری پتھر ہیں' انہیں اپنے مقام سے سرکانا ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کے باوجود کہ ملت ابراہیمؑ کا اصل قبلہ یہی بیت اللہ ہے جو عظیم روحانی روایات کا امین ہے' تم ان یہود و نصاریٰ کو ان کے حال پر چھوڑ دو' ان ہٹ دھرم لوگوں سے یہ توقع مت رکھو کہ وہ تمہارے قبلے کی پیروی کریں گے' ہاں حصول سعادت کی راہ اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو اس لئے کہ مشرق یا مغرب کو قبلہ ٹھہرانا اور بوقت عبادت اس جانب رخ کرلینا محض عبادت کے ظواہر میں سے ہے' مقصود عبادت نہیں ہے۔ اصل مقصود تو نیکیوں اور خیرات کے وہ کام ہیں جو انسان کے لئے توشہ آخرت بنیں گے!

——— اس آیت مبارکہ کا بین السطور ایک اور اہم حقیقت کا پتہ بھی دیتا ہے اور وہ یہ کہ ہر شخص نے اپنی زندگی اور اپنی سعی و عمل کے لئے ایک ہدف ٹھہرایا ہوا ہے اور وہ اسی ہدف کے حصول کے لئے سرگرم عمل ہے۔ کسی کا ہدف و مقصود مال و دولت کا حصول ہے' کوئی جاہ و اقتدار کو نصب العین بنائے ہوئے ہے اور لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہونے کے لئے بے تاب و بے قرار ہے' کوئی وطن کو مطلوب و مقصود کا مقام دے کر اس کی عظمت و سطوت کے لئے برسر عمل ہے اور کوئی وہ بھی ہیں کہ جن کے پیش نظر کوئی دنیاوی غرض نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہی ان کا نصب العین ہے اور انہوں نے اپنی جولانی طبع کے لئے نیکیوں اور خیرات کے میدان کا انتخاب کیا ہے۔ ع جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے!)

جہاں کہیں بھی تم ہوگے' اللہ تم سب کو اکٹھا کرلائے گا' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

(کہ تم نے خواہ مشرق کو اپنا قبلہ سمجھا ہو یا مغرب کو قبلہ بنایا ہو' اللہ تم سب کو بلکہ تمام اقوام و ملل کو میدان حشر میں جمع کر دے گا' وہاں پر امت کے مخلص لوگوں کو جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں وقت کے پیغمبر کا ساتھ دیا ہوگا اور ان کی بتائی ہوئی راہ کو اختیار کیا ہوگا' ان کے تمام نیک اعمال کی بھرپور جزا ملے گی' اور یہ حقیقت بھی بے نقاب کر دی جائے گی کہ کس کا قبلہ راست تھا اور حق پر کون تھا!)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

بابری مسجد کا المیہ' اصل سبب اور واحد علاج

پاکستان پر بھی قیامت صغریٰ وارد ہو سکتی ہے!

بظاہر احوال کوئی طاقت ہندومت کے جارحانہ احیاء کے طوفان کا راستہ نہیں روک سکتی

(نوائے وقت کے شکریئے کے ساتھ)

ڈاکٹر اسرار احمد

ذیل میں "نوائے وقت" میں شائع ہونے والے امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد کے سلسلہ مضامین "تفکر و تذکر" کی دو اقساط یکجا شائع کی جا رہی ہیں کہ مضمون کے اعتبار سے یہ دونوں باہم دگر مربوط ہیں۔ دوسری قسط میں چونکہ ملک کے معروف سینئر صحافی جناب زیڈ اے سلہری کے ایک اخباری مضمون کا حوالہ بکثرت آیا ہے لہٰذا اس قسط سے متصلاً قبل جناب سلہری صاحب کا مکمل مضمون بھی شامل اشاعت کر دیا ہے تاکہ پوری بات مرتب انداز میں قارئین کے سامنے آئے۔

بھارت میں اجودھیا کی بابری مسجد کی تہدیم کو ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ (اردو میں عام طور پر صرف "انہدام" کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن عربی لغت کی رو سے اس کے معنی کسی شے کے از خود گر جانے کے ہیں' جبکہ کسی عمارت کو گرانے یا مسمار کرنے کے لئے عربی زبان اور قرآنی استعمال کے اعتبار سے صحیح لفظ "تہدیم" ہے جو فعل مجہول کی صورت میں سورۂ حج کی آیت ۴۰ میں عبادت گاہوں کے ڈھائے جانے ہی کے ذکر میں وارد ہوا ہے۔) اس ایک ماہ کے دوران بھارت کے طول و عرض میں ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا جا چکا ہے' ہزاروں خاندان برباد ہو گئے ہیں' پوری پوری بستیاں جلا کر راکھ کر دی گئی ہیں' اور مختلف شہروں میں مسلم کش فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے' جو اللہ ہی جانتا ہے کہ کب اور کیسے ختم ہو گا۔

اس سلسلے میں جہاں تک فیری حالات اور واقعات کا تعلق ہے وہ بھی تمام اخبار بین لوگوں کے علم میں ہیں۔ مزید برآں "رام جنم بھومی بابری مسجد تنازعہ" کا تاریخی پس منظر بھی اکثر باشعور حضرات کے علم میں آ چکا ہے۔ اور اس کے ضمن میں کٹر ہندوؤں کے موقف کا بعض ہندو مورخین اور محققین کے نزدیک بھی بالکل بے بنیاد ہونا پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان موضوعات پر کچھ عرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ اس حادثہ فاجعہ کا اصل سبب کیا ہے؟' پھر یہ کہ اس کے مضمرات اور ممکنہ نتائج کیا ہیں؟' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ع "کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں؟" کے مصداق ان خطرات و خدشات کا کوئی مداوا بھی ہے یا نہیں؟۔ اور ہے تو کیا؟۔

ان میں سے جہاں تک دوسری بات یعنی اس واقعہ کے مضمرات اور ممکنہ نتائج اور عواقب کے مسئلے کا تعلق ہے' اس کا یہ پہلو تو اظہر من الشمس ہے' جس کے لئے کسی گہرے غور و فکر کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس واقعے سے ثابت ہو گیا ہے کہ بھارت میں سیکولرزم کی موت واقع ہو چکی ہے اور اس کا کریا کرم بھی ہو چکا ہے' اور ہندومت کے جارحانہ احیاء کا طوفان اب اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ بظاہر احوال کوئی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ چنانچہ اس سے قطع نظر کہ خود انڈین نیشنل کانگریس کا سیکولرزم سطحی تھا یا گہرا' اور مصنوعی تھا یا حقیقی' اصل اور اہم بات' جس میں ہرگز کسی شک یا اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی' یہ ہے کہ اب اگر کانگریس صدق دل سے چاہے تب بھی اس طوفان کے آگے بند نہیں باندھ سکتی۔ اور بھارت کی سیاسی قسمت کم از کم فوری اور قابل دید مستقبل کی حد تک متعصب ہندوؤں کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہے۔ البتہ اس حقیقت کی جانب غالباً ابھی کم ہی لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی ہے کہ اس کے نتیجے میں بھارت کے بے بس اور لاچار مسلمانوں پر تو ع "جو ہم پہ گذری سو گذری" کے مصداق جو قیامت گذرنے والی ہے وہ گذرے ہی گی۔ "آسودہ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں - ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں خاموش بھی طوفان ہوتے ہیں!" کے مصداق خود پاکستان پر بھی قیامت صغریٰ وارد ہو سکتی ہے اور اس کی پیٹھ پر دسمبر ۱۹۷۱ء کے مانند "عذاب ادنیٰ" (سورۂ سجدہ آیت ۲۱) کا دوسرا کوڑا بھی پڑ سکتا ہے' اور خاکم بدہن' یہ "عذاب اکبر" یا عذاب استیصال کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے' جس کے نتیجے میں یہ بچا کھچا پاکستان بھی سوویت یونین کی طرح دنیا کے نقشے سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہ جائے۔ اس لئے کہ ایک جانب بھارت کا کٹر ہندو اصلاً افغانستان سے انڈونیشیا تک کے پراچین بھارت کے احیاء کا

خواب دیکھ رہا ہے' اور اس راہ کا واحد کانٹا اس کے نزدیک صرف پاکستان ہے۔ اور دوسری جانب ع " جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے!" کے مصداق ہمارا روائتی محافظ اور سرپرست امریکہ بھی اب ہمیں بالکل بے دست و پا کر کے (بلکہ باضابطہ ہاتھ پاؤں باندھ کر) بھارت کے آگے ڈالنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ چنانچہ ادھر وہ ہمارے ایٹمی پروگرام کو منجمد تو کرا ہی چکا ہے' رول بیک کرنے پر بھی مجبور کر رہا ہے۔ (اور کیا عجب کہ کرا بھی چکا ہو!) اور ادھر افغانستان کی حد تک تو اپنی ترجیحات پر عمل کرا ہی چکا ہے' پاکستان کا نام دہشت گرد ملکوں کی فہرست میں درج کر دینے کی دھمکی کے تحت ہزاروں کشمیری مسلمانوں کے خون سے غداری پر بھی مجبور کر رہا ہے! !---- الغرض معاملہ صرف بھارت میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کا نہیں ' خود پاکستان کے وجود اور بقاء اور پورے جنوبی ایشیا میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کا ہے! لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ سطح بینی سے گریز کرتے ہوئے حقائق کو پوری گہرائی میں اتر کر دیکھا اور سمجھا جائے۔

بھارت کے کٹر اور متعصب ہندوؤں کی حالیہ جرأت اور جسارت کا اصل سبب یہ ہے کہ ان کے دلوں سے وہ رعب اور خوف زائل ہو چکا ہے جو مسلمانوں کی ہزار سالہ غلامی کے باعث ان کے اعصاب پر سوار اور ان کے مزاج کا جزو لاینفک بن گیا تھا۔ یہ خوف یا رعب قیام پاکستان کے بعد بھی کم و بیش بیس برس تک مشرقی اور مغربی پاکستان کے دو طرفہ دباؤ کے باعث کسی نہ کسی حد تک برقرار رہا تھا۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد سے جو کم ہونا شروع ہوا تو گذشتہ بیس سالوں کے دوران کم ہوتے ہوتے اب بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہے اور یہ درحقیقت پاکستان کے " جرم ضعیفی" ہی کی سزا کی پہلی قسط ہے جو سردست صرف بھارت کے مسلمانوں کو مل رہی ہے۔ اس اعتبار سے واقعہ یہ ہے کہ۔" شکریہ پرسش غم کا مگر اصرار نہ کر۔ پوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو!" کے مصداق اس وقت بھارت میں ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں اور اسلامی شعائر پر جو کچھ بیت رہی ہے اس کے اصل ذمہ دار ہم مسلمانان پاکستان ہیں!

تحریک پاکستان کے آخری ایام میں یاد ہو گا کہ وہ مسلمان جو قیام پاکستان کے مخالف تھے کہا کرتے تھے کہ پاکستان کی اسکیم کے نتیجے میں مسلمانان ہند کی قوتیں تین حصوں میں منقسم ہو کر غیر موثر ہو جائیں گی۔ جس کے جواب میں پاکستان کے حامی (جن میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے راقم الحروف بھی شامل تھا) یہ کہا کرتے تھے کہ: پاکستان ہندوستان کے دونوں جانب بھارتی مسلمانوں کے " محافظ " کی حیثیت سے موجود ہو گا۔ اور اس کے خوف کے باعث بھارت کے ہندو وہاں کے مسلمانوں کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکیں گے!"---- لیکن افسوس کہ ہم نے گذشتہ پینتالیس سالوں کے دوران اپنی نالائقیوں کے باعث اس پورے فلسفے کو غلط 'اور پاکستان کے مخالفوں کے جملہ اندیشوں کو صحیح ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ پیشینگوئی تو اکیس سال قبل پوری ہو گئی تھی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان پچیس سال سے زیادہ عرصہ ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔ بقیہ تمام اندیشے بھی تلخ ترین اور خوفناک ترین حقائق اور واقعات کی صورت میں آج ہماری نگاہوں کے سامنے موجود ہیں۔

رہا یہ سوال کہ پاکستان مستحکم کیوں نہ ہو سکا تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ فطرت کا اصول ہے کہ جو شے اپنے اصل مقصد کو گم کر دے اولاً غیر اہم اور ناقابل اعتناء اور بالآخر نسیاً منسیاً ہو جاتی ہے۔ مصور پاکستان (حکیم الملت علامہ محمد اقبال) اور معمار پاکستان (قائد اعظم محمد علی جناح) دونوں کے نزدیک پاکستان کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ یہاں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو قائم کر کے عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ پیش کیا جائے۔ لیکن عملاً ہوا یہ کہ یہاں نہ صرف جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا فرسودہ اور ظالمانہ نظام جوں کا توں قائم رہا بلکہ اس پر مستزاد سرمایہ داری اور سودی معیشت کی لعنت دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی چلی گئی ---- نتیجتاً ایک جانب ملکی سیاست جاگیرداروں اور کچھ نودولتے سرمایہ داروں کی تفریح طبع کا کھیل اور جنگ زرگری کا میدان بن کر رہ گئی۔ دوسری جانب معیشت میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا اور کروڑوں کے نمبن اور اربوں کے سیکنڈلز روزانہ کا معمول بن گئے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ سورۂ توبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے بدعہدی کی سزا کے طور پر نفاق کا روگ دلوں میں پیدا ہو گیا۔ جس کا ایک مظہر تو حدیث نبویؐ کے مطابق یہ ہے کہ صداقت 'امانت' شرافت اور ایفاء عہد کا دیوالہ نکل چکا ہے اور دوسرا مظہر یہ ہے کہ قومی وحدت کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اس لئے کہ علامہ اقبال کے یہ اشعار کہ۔" اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر۔ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ!" اور " ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار۔ قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!" کسی اور مسلمان قوم یا ملک کے بارے میں صحیح ہوں یا نہ ہوں کم از کم پاکستان کے بارے میں صد فی صد صحیح ہیں۔ اس لئے کہ اس کی " ولدیت" صرف اور صرف اسلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم اقبال کے " مرشد معنوی" اکبر الہ آبادی کے ان الفاظ کا جیتا جاگتا نمونہ بن چکے ہیں کہ "قوم ہے ایمان سے ایمان رخصت قوم گم!"

اس پوری صورت حال کی ذمہ داری ظاہر ہے کہ ہم مسلمانان پاکستان ہی پر عائد ہوتی ہے۔ بھارت کے مسلمان تو سرزمین پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانے کے ضمن میں اپنے حصے کا "فرض کفایہ" ۱۹۴۷ء ہی میں ادا کر چکے تھے جس کی سزا انہیں ہندو غنڈوں کے ہاتھوں " خوف ' بھوک اور جان و مال و ثمرات کے ضیاع" (البقرہ : ۱۵۵) کی صورت میں مسلسل بھگتنی پڑ رہی ہے۔ پاکستان کو بالفعل اسلام کا گہوارہ بنانے کی ذمہ داری تو ظاہر ہے کہ ہم ہی پر عائد ہوتی تھی۔ اگر ہم اس ذمہ داری کو پورا کرتے تو نہ صرف یہ کہ خود خوشحال اور مستحکم و مضبوط ہوتے بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بھی عزت و حفاظت کی ضمانت بن جاتے۔ اس کے برعکس جب ہم نے قیام پاکستان کے مقصد سے بے وفائی اور غداری کی تو نہ صرف یہ کہ اکیس سال قبل خود بھی دو لخت ہوئے اور نہایت ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے بلکہ اب بھارت میں مسلمانوں پر ہونے والے بہیمانہ مظالم اور اسلامی شعائر پر ہونے والے شرمناک حملوں کو بھی "تک تک دیدم' دم نہ کشیدم" کے انداز میں برداشت کرنے پر مجبور ہیں۔ تاہم ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر موجودہ صورت حال میں جلد بنیادی تبدیلی پیدا نہ ہوئی اور یہاں ایک عوامی اسلامی انقلاب نہ آیا تو جو آگ آج بھارتی مسلمانوں کے خرمن کو جلا کر راکھ کر رہی ہے وہ ع "حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!" کے مصداق جلد ہی پاکستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

الغرض 'پاکستان کا داخلی انتشار اور خلفشار ہو یا بھارت میں اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی دونوں کا اصل سبب پاکستان کا اپنی اصل منزل اور ہدف سے انحراف ہے!! اور ع "علاج اس کا وہی آب

نشاط انگیز ہے ساقی!" کے مصداق اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ہم "من قبلہ راست کردم!" کے انداز میں اپنی سمت کو از سرنو درست کریں۔ البتہ بھارت میں ہندومت کے جارحانہ احیاء کی بنیاد میں بھارت کے مسلمانوں کی بھی ایک غلط حکمت عملی کو کسی قدر دخل حاصل ہے اور اس کی نوعیت بھی اصلاً تحریک پاکستان کے اصول اور نظریات سے انحراف ہی کی ہے۔ یعنی یہ کہ انہوں نے بھی تقسیم کے بعد مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی بجائے وقتی مصلحت کے پیش نظر عملاً "متحدہ قومیت" کے نظریئے کو اختیار کرلیا۔ جو نتیجے کے اعتبار سے "دام ہم رنگ زمیں" ثابت ہوا۔

کون نہیں جانتا کہ تحریک پاکستان میں اصل فیصلہ کن حصہ ہندوستان کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں ہی کا تھا۔ اور یہ تحریک ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی بنیاد پر چلائی گئی تھی۔ اس کا منطقی تقاضا تھا کہ آزادی ہند اور تقسیم ملک کے بعد بھی بھارت کے مسلمان اپنی جداگانہ قومیت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک اقلیت کا رول اختیار کرتے اور عظیم ہندو اکثریت پر مبنی "قومی سیاست" میں شمولیت یا شرکت صرف جداگانہ انتخابات کی بنیاد پر کرتے۔ بصورت دیگر اس سے علیحدہ رہتے اور وہاں کی کشاکش اقتدار میں ہرگز شریک نہ ہوتے بلکہ اپنی تمام توانائیوں اور مساعی کو صرف اپنی مذہبی تعلیم و تربیت اور تہذیبی اور ثقافتی اقدار کے بقاء اور تحفظ کے لئے وقف کردیتے۔ اس کے برعکس جب انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے انحراف کرتے ہوئے مغرب کی سیکولر سیاست اور وطنی قومیت کے اصول کو وقتی مصلحت کے تحت اختیار کرلیا تو ایک نہایت غیر موثر اقلیت ہونے کے باعث ع "مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی!" کے مصداق ان کے ہاتھ پلے تو کچھ بھی نہ آیا۔ البتہ دو نہایت مضر نتائج برآمد ہوئے۔ یعنی: ایک یہ کہ بھارتی مسلمانوں کے ان عناصر کو جو "قومی سیاست" میں حصہ لینے کے خواہش مند تھے اپنے مذہبی تشخص کو خوب گھس گھس کر بلکہ رگڑ رگڑ کر مٹانا پڑا۔ اس لئے کہ ہندو ووٹروں کی اکثریت کی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان انتخابات میں صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا تھا کہ ابنائے وطن کو پوری طرح یقین دلادیتا کہ ع "میرے اسلام کو ایک قصہ ماضی سمجھو!" ۔ چنانچہ اسی کی ایک مثال عارف محمد خاں تھے جنہوں نے راجیو گاندھی کی وزارت سے احتجاج کے طور پر اس لئے استعفاء دے دیا تھا کہ اس نے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا قانون منظور کرا دیا تھا۔ اور دوسری مثال موجودہ پارلیمنٹ میں بی جے پی کے نمائندے سکندر بخت خاں ہیں! (اس معاملے میں واحد استثناء کی حیثیت صرف ان چند سیٹوں کو حاصل ہے جہاں مسلمان ووٹر فیصلہ کن حد تک اکثریت میں ہیں جیسے ایک سیٹ حیدر آباد دکن کی۔ اور چند سیٹیں کیرالہ کی!) اور دوسرا اور زیادہ خوفناک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ "مسلم ووٹ بنک" کے مقابلے اور ازالے کے لئے خود کانگریس کو "ہندو کارڈ" کا سہارا لینا پڑا۔ چنانچہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بھارت میں ہندومت کے جارحانہ احیاء کا آغاز ۱۹۸۰ء کے بعد سے ہوا جب اندرا گاندھی نے ۱۹۷۷ء میں مسلم ووٹ بنک کے ہاتھوں شکست کھا کر اپنی سیاسی مصلحت کے تحت "ہندو دیوی" کا روپ دھارا اور اس "ہندو کارڈ" ہی کے ذریعے دوبارہ مسند اقتدار حاصل کی۔ اسی طرح سب جانتے ہیں کہ حال ہی میں یو پی میں بی جے پی کی حکومت بھی مسلمانوں کے ووٹوں ہی کے ذریعے قائم ہوئی۔ اس لئے کہ مسلمان وقتی طور پر راجیو گاندھی سے ناراض ہوگئے تھے۔ اور گویا اسے سبق سکھانا چاہتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان ہی کے تعاون سے قائم ہونے والی حکومت کے ہاتھوں بابری مسجد شہید ہوگئی!

الغرض جس طرح ابلیس کے نقطہ نگاہ سے ع مزکیت فتنہ فردا نہیں' اسلام ہے!"۔ اسی طرح پورے برعظیم ہندو پاک کے مسلمانوں کی اخروی فلاح ہی نہیں دنیوی بھلائی بھی' اور عزت و استحکام ہی نہیں عین وجود اور بقا بھی سیکولرزم نہیں صرف اور صرف اسلام کے ساتھ وابستہ ہے ------ اور اس کے ضمن میں سب سے بھاری اور فیصلہ کن ذمہ داری ہم مسلمانان پاکستان پر عاید ہوتی ہے کہ اگر پاکستان میں حقیقی اسلامی نظام کے عملی قیام کے لئے اسی جوش اور جذبے کے ساتھ کام کریں جیسے کبھی قیام پاکستان کے لئے کیا تھا تو نہ صرف جنوبی ایشیا کے حالات تبدیل ہوجائیں گے جہاں دنیا کی کل مسلم آبادی کی تہائی تعداد یعنی چالیس کروڑ کے لگ بھگ مسلمان آباد ہیں بلکہ ع "شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!" کے مصداق یہ تبدیلی اسلام کے عالمی غلبے کی تمہید بن جائے گی۔ اور جس طرح اس وقت بھارت "غلبت الروم فی ادنی الارض" کا نقشہ پیش کررہا ہے کوئی عجب نہیں کہ اسی طرح " و ھم من بعد غلبھم سیغلبون" کی صورت پیدا ہوجائے --- اور اللہ کی قدرت سے یہ بھی بعید نہیں کہ یہ صورت " فی بضع سنن" یعنی چند ہی سالوں کے اندر اندر رونما ہوجائے۔ (سورۂ روم آیات ۲ تا ۴)۔ بصورت دیگر ع "آج وہ کل ہماری باری ہے!" کے مصداق اندیشہ ہے کہ ہندو امپیریلزم کا یہ چڑھتا ہوا سیلاب پاکستان کو بھی بہا کرلے جائے گا اور پھر ع "ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!"

دینی محاذ کی ضرورت کیوں؟

مسلمانان برصغیر نے مسلم قومیت کی بنا پر ملک بنا کر بہت بڑے انقلاب کا بوجھ اٹھایا ہے۔

جناب زیڈ اے سلہری کا حقیقت پسندانہ تجزیہ

بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی اور بابری مسجد کی شہادت نے آزاد خیال سے آزاد خیال مسلمان کو دھچکا اور تڑپا کر رکھ دیا ہے اور جہاں اسے اپنی اصلیت کی اتھاہ سے آگاہ کردیا ہے وہاں اس پر یہ امر بھی واشگاف کر دیا ہے کہ مغربیوں اور ہندوؤں کو اسلامی طرز معاشرت قابل قبول نہیں' جہاں تک مغرب کے رویئے کا تعلق ہے وہ مسلمانوں کے بارے میں تاریخی طور پر معاندانہ ہے' مغرب اب تک صلیبی جنگوں کو نہیں بھولا' فی زمانہ سوویت یونین کی تحلیل اور کمیونزم کی نظریاتی شکست کے بعد امریکہ کو جو واحد سپریم پاور کی پوزیشن حاصل ہوئی ہے اس کا تقاضا سمجھا گیا ہے کہ نہ صرف بین الاقوامی ثقافتی سیاسی میدان میں بلکہ نظریاتی معاشرتی میدان میں بھی امریکہ کا بول بالا ہو اور جس طرح آن کی

آن میں وہائٹ ہاؤس کے فیصلے سلامتی کونسل کے فیصلوں میں منتقل ہو جاتے ہیں کہ وہاں کوئی طاقت کسی امریکی تحریک کی مزاحمت کی اہل نہیں۔ اس کی مرضی ہو تو وسیع پیمانے پر عراق کے خلاف جدید ترین ٹیکنولاجیکل جنگ شروع کی جا سکتی ہے اور اس کی مرضی نہ ہو تو بوسنیا کے نہتے مسلمانوں کو سربیائی خونخواروں کے مظالم اور قتل عام سے نہیں بچایا جا سکتا۔ اسی طرح امریکی طرز زندگی کو یونیورسل وزن' مرتبہ اور وقار حاصل ہو' دنیا کا ہر معاشرہ امریکی طرز زندگی کے سانچے میں ڈھلے تا آنکہ صداقت امریکی سوچ و فکر کا دوسرا نام بن جائے' یہی بش کے نیو ورلڈ آرڈر کے اعلان کا مطلب تھا۔ طاقتور ملکوں نے پہلے بھی اپنی تہذیب کے اثر و رسوخ کو پھیلانے کی کوشش کی ہے اور اس کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں لیکن ان میں کسی کی طاقت کو وہ یونیورسل امپیکٹ (عالمی اثر و نفوذ) حاصل نہیں ہوا جو امریکہ کو اس دور میں حاصل ہوا اور اس کا بڑا سبب اور عامل وہ عالمی نظام مواصلات ہے جس نے فاصلوں کو سمیٹ کر کرہ ارض کو ایک شہر بنا دیا ہے۔ آپ جہاں کا چاہیں ٹیلی ویژن دیکھ لیں (آپ کو اپنے ملک کا موسم معلوم نہ ہو' سی این این پر امریکہ کے ہر حصے کا موسم معلوم ہو جاتا ہے) اور جہاں چاہیں ٹیلی فون پر بات کر لیں' اب معروضی صورت حال یہ ہے کہ مغربی طرز معاشرت نے پہلے ہی کم و بیش کل دنیا کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ہندوستان سیکولرازم کا علمبردار ہے اور عددی طور پر سب سے بڑی جمہوریت کو چلانے کا مدعی ہے' جاپانی معاشرہ تو مغربیت میں مستغرق ہے' وہ اگر امریکہ سے اقتصادی مسابقت کی دوڑ میں سرگرداں ہے تو مغربی اقدار سے مطابقت کے اظہار کی گرمجوشی میں بھی پیچھے نہیں ہے۔ چین بے شک ہنوز کمیونسٹ کہلاتا ہے لیکن ایک تو اس کے کمیونزم نے عرصہ دراز سے روسی کمیونزم سے راہ انحراف اختیار کی ہوئی تھی' دوسرے ماؤ کے بعد ڈانگ کی لبرل اقتصادی پالیسی نے اسے بالکل مختلف ڈگر پر ڈال دیا چنانچہ جہاں سوویت یونین سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ نہ کر سکی وہاں چین کامیابی سے مغربی ممالک سے لین دین کر رہا ہے اور اس کی برآمدات کا بڑا حصہ امریکہ کو جاتا ہے۔ چین نے قطعی مغربی سیاست نہ اپنائی ہو لیکن وہ مغربی معاشرت کا مخالف بھی نہیں' جہاں اس نے ماؤ کا بند گلے کا کوٹ ترک کر کے مغربی سوٹ پہن لیا ہے وہاں جس حد تک کمیونزم کے ذریعے اس کی معاشرت میں مادیت کا نفوذ ہوا ہے۔ اس حد تک وہ مغربی مادیت کا حصے دار بن جاتا ہے کہ بالآخر مارکس

مغرب کے مادہ پرست ماحول کی پیداوار تھا' سوویت یونین کے زوال کے بعد روس اور مشرقی یورپ نیز یوکرائن' جارجیا وغیرہ دوبارہ کرسٹن ڈم (دنیائے عیسائیت) میں داخل ہو گئے اور اس کا اٹوٹ انگ بن گئے ہیں' یوں دنیائے اسلامی ہی ایک خطہ ارض رہ گیا ہے جو مغربی طرز معاشرت کے تسلط سے آزاد ہے بلکہ امریکہ کے سوویت یونین پر فتح پانے کے بعد یہ عجب نتیجہ نکلا کہ وسط ایشیا میں پانچ مسلم مملکتیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں اور اسلامی خطہ ارض کے رقبے میں وسعت کا باعث بنیں' اب یہی نہیں کہ دنیائے اسلامی کی طرز معاشرت مغربی اور امریکی طرز معاشرت سے بالکل مختلف ہے' اس کی خاص بات یہ ہے کہ مغرب کے برعکس مذہب مسلمانوں کی زندگی میں ایک بڑے قوی و موثر بلکہ فیصلہ کن عامل کا کردار کرتا ہے' یہ اسلام کا ہی اثر و نفوذ تھا جس نے مسلمانان برصغیر کے ہاتھوں مسلم قومیت کی بنا پر تحریک پاکستان چلوائی اور نقشہ عالم پر ایک نئے مسلم ملک کا اضافہ کروایا' مجاہدین افغانستان نے اسلام کے نام پر سپرپاور سوویت یونین کا مقابلہ کیا' اسلام کی قوت کی بنا یہ تھی کہ اس میں عبادات کے ساتھ قوانین کا حدید بھی تھا جو دوسرے مذاہب میں نہیں ہوتا' اور چونکہ قوانین حکومت ہی نافذ کر سکتی ہے اسلام حکومت میں دخیل ہے سو روزمرہ کے معاملات زندگی میں بھی دین سرایت ہے' وہ مسجد تک محدود نہیں' جیسا کہ مغرب میں سٹیٹ اور چرچ کی تقسیم مذہب کو چرچ تک محدود رکھتی ہے۔ اس تناظر میں امریکہ کو اپنی عالمی نظریاتی و معاشرتی بالادستی قائم کرنے میں یہ کٹھن مسئلہ درپیش ہے کہ دنیائے اسلام کو کس طرح زیردست لایا جائے؟ کس طرح اس جاندار مذہبی معاشرے کو رام کیا جائے؟

اس مقصد کے حصول کا ایک ہی طریقہ نظر آتا تھا' اسلامی ملکوں میں جمہوریت کا نفوذ و فروغ' چنانچہ امریکی حکومتوں نے جمہوریت پر بڑا زور دیا اور اگلے ڈیموکریٹک صدر بل کلنٹن کے دور حکومت میں اس پر خصوصی زیادہ زور دیا جانا متوقع ہے۔ اب جمہوریت کی کامیابی کا دارومدار سیکولرازم پر عقیدہ رکھنے پر ہے' جس کا تقاضا ہے کہ سیاسی اور دنیوی معاملات میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ بے شک ہمارے ہاں مذہب کے دباؤ کی وجہ سے سیکولرازم کو ایک لبرل انداز نگاہ کے طور پیش کیا جاتا ہے اور بس' لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخی طور پر سیکولرازم نے یورپی نیشنلسٹ سٹیٹ میں سٹیٹ اور چرچ کے درمیان خط فاصل کھینچا اور سٹیٹ کے معاملات میں چرچ کی مداخلت بند کی' سیکولرازم کی ترویج کے بعد یورپ کی ساری سیاست نے اس فکری خلاء میں نشوونما پائی جو سیکولرازم نے سٹیٹ کو چرچ سے علیحدہ کر کے پیدا کی' ڈکشنری میں سیکولرازم کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

THE BELIEF THAT
THE STATE, MORALS,
EDUCATION ETC.
SHOULD BE
INDEPENDENT OF
RELIGION.

وہ عقیدہ جو مملکت سٹیٹ اخلاقیات' تعلیم وغیرہ شعبہ ہائے زندگی کو مذہب کے دائرہ اثر و رسوخ سے خارج اور آزاد قرار دیتا ہو' سیکولرازم کی جبلی روح کے مطابق دراصل جمہوریت کا نفاذ تیزاب میں مذہب کو گلانے اور تحلیل کرنے کے مترادف ہے' لیکن یہ نتیجہ تو تبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ پہلے معاشرہ واقعی سیکولر بنے۔ پاکستان میں اور دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی صورتحال بالکل مختلف بلکہ متضاد ہے' یہاں تو منتخب نمائندوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ نظام اسلام نافذ کریں اور شریعت جاری کریں' بہرحال پارلیمنٹ کوئی ایسا قانون پاس کرنے سے قاصر ہے جو قرآن اور سنت سے متصادم ہو۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے کئی ایسے قوانین کی نشاندہی کی ہے جو قرآن و سنت سے ٹکرائے اور ناقابل عمل قرار دیئے گئے۔

بعض حلقے فیڈرل شریعت کورٹ کی مداخلت کو پارلیمنٹ کی مطلق العنانیت کے اصول کی تنقیض قرار دیتے ہیں' اب اگر ان کے اعتراض کو بجا بھی مان لیا جائے تو اس حقیقت میں پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دستور پارلیمنٹ قران و سنت کے اتباع کی پابند رہتی ہے جو صورتحال برطانوی پارلیمنٹ کو درپیش نہیں ہے کہ وہ کسی خارجی قاعدے قانون کی پابند نہیں' اور چاہے قانون بنانے میں آزاد ہے بشرطیکہ اسے اکثریت حاصل ہو' اور امریکہ کو پاکستان میں جمہوریت کی ترویج سے کیا ملا؟ معاشرہ تو حسب سابق اسلام سے متمسک رہا' یا الجزائر میں جمہوریت کے نفاذ کا کیا فائدہ ہوا کہ فیصدی عوام نے لبریشن فرنٹ کو نفاذ شریعت کے لئے ووٹیں دیں اور ان اسلام پسندوں کو فوجی طاقت سے دبانا پڑا' لیکن تابہ کے؟ اسلامی ملکوں میں مذہب کا جمہوریت میں تحلیل ہونا اس لئے ناممکن ہے کہ جیسا کہ اوپر نوٹ کیا گیا' دوسرے معاشروں کے مذاہب کی طرح اسلام صرف پوجاپاٹ' عبادات و اخلاقی اقدار اور رسم و رواج تک محدود نہیں' اس میں قانون بھی ہے جو کوئی مسلم

معاشرہ پس پشت نہیں ڈال سکتا' جس کا مطلب ہے کہ اسلام میں دین کا براہ راست سیاست میں عمل دخل ہے اور یہ امر بالکل سیکولرازم کا الٹ ہے جو مذہب کو سٹیٹ اور سیاست کے دائرے سے خارج کرتی ہے' سو ظاہر ہے کہ اگر اسلام پر عملدر آمد ہو گا اور اس کا قانون نافذ ہو گا تو سیکولرازم کا اسلامی جسد سیاست میں گزر نہ ہو سکے گا البتہ ایک مسئلہ ہے' اسلامی معاشرے میں سیکولرازم کی گنجائش دور غلامی کے چھوڑے ہوئے قوانین کے ضابطوں کی موجودگی سے پیدا ہوتی ہے' جہاں نام نہاد ترقی پسند طبقے انگریز کے قانون سے چمٹے ہیں اور اسلامی قوانین کے نفاذ میں مزاحم ہیں' وہاں ان طبقوں کی حمایت پر امریکہ پوری طرح ایستادہ ہے اور انہی کے ذریعے سیکولرازم کو تقویت دینے میں کوشاں ہے' دراصل مسلمانان برصغیر نے مسلم قومیت اختیار کرکے سیکولرازم کے تصور کو زبردست دھچکا پہنچایا' مذہب کو سیاست سے خارج کرنے کی بجائے مسلمانوں نے مذہب کو اپنی سیاست کی بنیاد بنایا' تحریک پاکستان سے بیک وقت انگریزوں اور ہندوؤں کے مفادات کو ضرب لگی کہ جہاں مغربی سیکولرازم کا بھانڈا پھوٹا' وہاں ہندوؤں کے اکھنڈ بھارت کا خواب تشنہ تعبیر رہا' ذرا سوچئے کہ اگر انگریزوں کے سیکولرازم اور کانگرس کی متحدہ ہندوستانی قومیت کا جادو چل جاتا تو پاکستان معرض وجود میں آتا؟ سوال ہے کہ برصغیر کی ہزار سالہ مسلم ہندو مشترکہ تاریخ کی کوکھ سے مسلم قومیت کیسے نکلی؟ بے شک اسلام کی وابستگی سے' لیکن قائداعظمؒ کی بے پناہ جدوجہد سے بھی کہ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظمؒ نہ ہوتے تو پاکستان نہ بنتا' غضب خدا کا کہ دور حاضرہ میں ببانگ دہل مذہب پر بنا کردہ مسلم قومیت کے بانی قائداعظمؒ پر سیکولرازم سے شغف کی تہمت لگائی جائے! یہ اجتماع ضدین کیونکر ممکن ہے؟ قائداعظمؒ جمہوریت کے قائل تھے لیکن انہوں نے محض نظری منطق سے نہیں بلکہ عملی تجربے سے اس استحقاق کو روز روشن کی طرح ثابت کیا' پاکستان مسلمانان برصغیر کے تشخص کا پر تو ہے' پاکستان کا استحکام اس تشخص کی پائیداری میں ہے اور اگر کسی طرح اس تشخص کو گزند پہنچ گئی تو پاکستان کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا' اب جہاں اس تشخص کے اظہار کا دفاع ہماری قومی سالمیت و تحفظ کی شق اولین کا درجہ رکھتا ہے وہاں اس کا سب سے بڑا دشمن سیکولرازم ہے جو اس تشخص کی بنیاد اسلامی کی بیخ کنی کرتا ہے کہ وہ قومیت میں مذہبیت کا عنصر برداشت نہیں کر سکتا' پاکستان میں جمہوریت امریکہ کے کس کام کی کہ وہ نفاذ شریعت سے بندھی پڑی ہے' اس لئے نہ وہ پاکستان کی جمہوریت کا اعتراف کرتا ہے' نہ اس کے انتخابات کو کوئی اہمیت دیتا ہے' نہ اس کے خلاف کسی اقدام لینے سے گریز کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے دہشت گرد سٹیٹ قرار دینے کو بھی تیار ہے لیکن محض دباؤ کے ہتھکنڈوں سے امریکہ کا پاکستان میں مسئلہ حل نہیں ہوتا' اس کا یہاں تبھی مسئلہ حل ہو گا جب پاکستان میں ایسی سیکولر جمہوریت کا اجراء ہو جس کے ساتھ نفاذ شریعت کا تکمہ نہ لگا ہو' اب یہ مقصد تو یونہی بروئے کار آسکتا ہے کہ پاکستان میں ایسا فکری انقلاب آئے جس کے نتیجے میں یا تو مذہب کو' مغرب کی تقلید میں توہم پرستی قرار دے کر اور عملی دنیا سے نکال کر بے اثر بنا دیا جائے' اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر سیکولرازم کو عین اسلام اور آئیڈیل اسلام مان لیا جائے جیسا کہ بعض اہل فکر نے سیکولرازم کو اس نقطہ نگاہ سے پیش کرنے کی جسارت کی ہے' لیکن جب تک اسلام سیکولرازم کی خلاء میں مقید و محبوس نہیں کیا جا سکتا یا بزعم خویش ترقی پسند طبقے کے غلبے سے سوویت یونین کے متوالے ترقی پسند اب امریکی سیکولرازم کے پرچارک بن چکے ہیں) نعوذ باللہ دقیانوسیت بنیاد پرستی کا نشان قرار دلوا کر ترک نہیں کروایا جا سکتا' امریکہ چین سے نہ بیٹھے گا' اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جہاں ملک میں سیاسی و اشاعتی میدان میں ترقی پسندی کی نئی تحریکیں اٹھیں گی' وہاں پاکستان کو نت نئے طوفانوں سے دوچار کیا جائے گا' امریکہ کی نظر میں پاکستان کی فکری کایا پلٹ اس لئے بہت ضروری ہے کہ نہ صرف سیاسی جغرافیائی اعتبار سے ملک اہم اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے کہ وسط ایشیا اور مشرقی وسطیٰ کا نقطہ اتصال ہے بلکہ اس کی بنیاد مسلم قومیت ہے جو اسلام کے حوالے سے پروان چڑھی اور جس کے احیاء کی وہ متقضی ہے' پاکستان کی بنیاد اتنی نظریاتی کشش رکھتی ہے کہ وہ ان مسلم ملکوں کی قومیت بدل سکتی ہے جنہوں نے یورپی طاقتوں کے ورغلانے سے سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کردی تھی اور مغرب کی نسل پرست قومیت اختیار کر لی تھی اور جس کا بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ فلسطین مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا' بالالفاظ دیگر پاکستان کی مثال مسلمانان عالم کو بھی مسلم قومیت اختیار کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے' اسی لئے امریکہ کا ہدف ہمارا مسلم تشخص ہے' پاکستان کی مسلم قومیت ہے اور اس کے پاس اسے کھوکھلا کرنے کا ایک ہی حربہ ہے' سیکولرازم!

ہماری بھونڈی سیاست نے ہمیں بابری مسجد کی شہادت کے سانحے پر کماحقہ' غور و فکر کی مہلت نہیں دی' بابری مسجد کی ٹھنڈی سوچ و بچار کے بعد شہادت اور عوامی غیض و غضب کے رد عمل میں پاکستان میں چند مندروں کے انہدام امریکی ذرائع ابلاغ نے پاکستان کے رد عمل کو زیادہ اچھالا تاکہ مسجد کی شہادت کے سانحے کو پس منظر میں ڈالا جا سکے) کی نوعیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ محترمہ بے نظیر کا یہ بیان بہت افسوسناک ہے کہ ہندوستان میں ہندو انتہا پسندی پاکستان میں انتہا پسندانہ اسلامی بنیاد پرستی کا رد عمل ہے اور ان کی برصغیر میں مسلم ہندو تعلقات کی تاریخ نیز محرکات تخلیق پاکستان سے قطعی بے خبری کی چغلی کھاتا ہے' محض حکومت دشمنی میں دنیا کے سامنے ملک و قوم کے کیس کو خراب کرنے کا کوئی جواز نہیں بابری مسجد کو سالہا سال کی منصوبہ بندی کے بعد' نہایت اعلانیہ طور پر ملک گیر پیمانے پر اہتمام سے سرکاری سرپرستی میں کہ سرکار کو جنتا سے ٹکر لینے کا ارادہ اور ہمت نہ تھی) مسمار کیا گیا اور یوں معلوم ہوا کہ ایک قوم نے اپنا مینڈیٹ پورا کیا' مینڈیٹ کیا تھا؟ یہی کہ مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رہنے نہیں دیا جائے گا' گاندھی نے کہا تھا کہ تاریخ میں ایسا کبھی نہ ہوا کہ مذہب بدلنے والوں نے اپنی آزاد قوم بنالی ہو' سو برصغیر میں نو مسلموں کی جمعیت کیونکر اپنے آباؤ اجداد سے الگ قوم بنا سکتے ہیں؟

گاندھی اپنے عقیدے میں اتنا پکا تھا کہ اس نے برصغیر کا بٹوارہ قبول کر لیا مسلم قومیت کا نظریہ دو قومی نظریہ) قبول نہ کیا' بابری مسجد کی شہادت کا یہ پیغام لگتا ہے کہ ہندو جنتا نے باپو کے قول کو پلے باندھا ہوا ہے اور وہ مسلمانوں کو ہندو آباؤ اجداد کے مذہب پر واپس لانے پر تلے ہوئے ہیں' مسجد تو اجتماعی مسلم تشخص کی جان اور اس کی مرکزی شناخت ہے' اگر وہ سرکاری سرپرستی میں ڈھے جانی لگے' تو جو ہو سو کم ہے' دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ بابری مسجد کی شہادت سے نہ بھارتی سیکولرازم لرزہ براندام ہوئی نہ مغربی سیکولرازم سراپا احتجاج بنی' اگر سیکولر انڈیا نے بابری مسجد کا سانحہ بپا کیا تو کیا' کیا سیکولر مغرب نے بوسنیا بپا نہیں کیا! پھر گاندھی کا فرمان صرف ہندی مسلمانوں کو لاگو نہ ہوتا تھا' وہ پاکستانی مسلمانوں کو بھی لاگو ہوتا تھا کہ گاندھی کی ہدایت پر کانگرس نے کبھی دو قومی نظریہ قبول نہ کیا اور بھارت کے نزدیک ظہور پاکستان ایک عارضی حادثہ تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ مندمل اور زائل ہوتا جائے گا' اسی لئے ہندوستان نے شروع سے ہی پاکستان کے متعلق ایسی پالیسیاں اپنائیں جو نوزائیدہ ملک کی چولیں ٹھیک نہ بیٹھنے دیں' ریاست جموں و کشمیر پر ناجائز قبضہ جوع الارض کا ہی نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کا مقصد مسلم قومیت کے نظریئے

کو سبوتاژ کرنا تھا کہ اگر ملحقہ مسلم علاقہ پاکستان میں شامل نہیں ہوتا تو تخلیق پاکستان کا وہ متفقہ سہ فریقی مسلم لیگ' کانگریس اور حکومت برطانیہ) سمجھوتہ بھی بروئے کار نہیں آتا جس کی رو سے پاکستان شمال مشرق و مغرب میں ملحقہ مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل ہونا قرار پایا تھا' اور یہ رخنہ پاکستان کی بنیادی کمزوری ثابت ہو گا کہ اس کی شہ رگ پر ہندوستان کا انگوٹھا ہو گا' پھر ہندوستان نے پاکستان پر تین جنگیں مسلط کیں' اور سب سے بڑھ کر حملہ کر کے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کیا' سقوط ڈھاکہ پر اندرا گاندھی نے گاندھی کا ہی قول دہرایا کہ دو قومی نظریہ باطل ثابت ہوا' تو ہندوستان مسلسل پاکستان کی مسلم قومیت کو غلط ثابت کرنے پر لگا ہوا ہے کہ اس کی تغلیط سے ہی پاکستان کی تحلیل کی آس لگائے بیٹھا ہے' اس کا مطلب ہے کہ پاکستان کے قیام وبقاء کا دارومدار مسلم قومیت کے تمکن ومضبوطی پر ہے۔ درحقیقت مسلمانان برصغیر نے مسلم قومیت کی بنا پر ملک بنا کر بہت بڑے انقلاب کا بوجھ اٹھایا ہے اور ہم اس کی حقانیت کو نظام اسلام کے نفاذ سے ہی عملی طور پر ثابت کر سکتے ہیں اور اس کے مرحلے سے ابھی عہدہ برا ہونا باقی ہے' اب آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کو کیا کیا خطرات لاحق ہیں' ایک طرف مغربی سیکولرازم ہے جو ملک کی دینی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے تو دوسری طرف ہندو سیکولرازم ہے جو مسلمانوں کے وجود کو ہڑپ کر لینا چاہتا ہے' پھر دونوں طاقتوں میں گٹھ جوڑ ہے' جہاں امریکہ میں بابری مسجد کی شہادت کے سانحے پر کسی شدت کا ردعمل نہیں ہوا' وہاں وہ اس بنا پر پاکستان کو دہشت گرد سٹیٹ قرار دینے کو تلا نظر آتا ہے کہ اسے کشمیریوں کے کاز سے گہری ہمدردی ہے اور وہ ان کی اخلاقی امداد سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔

اس بحث کا نتیجہ صاف ہے' اور یہ کہ جہاں ہمارا تشخص مسلم قومیت سے وابستہ ہے جس کی بنیاد اسلام ہے' وہاں مغربیوں اور ہندوؤں کا ہدف بھی مسلم قومیت ہے کہ جب تک اس کی بنیاد ڈھے نہیں جاتی' پاکستان اور دنیائے اسلام) میں سیکولرازم کی روح حلول نہیں کر سکتی جس کے توسط سے اس باقی خطہ ارض میں بھی امریکہ کی یونیورسل نظریاتی ومعاشرتی اقدار جاری وساری ہو جائیں اور ہم ایک ہی عالمی تہذیب کے کل پرزے بن سکیں' یہاں دو نکات قابل غور ہیں۔ ایک تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلم قومیت کے تحفظ واستحکام میں قومی سیاسی پارٹیوں نے کوئی اچھا کردار ادا نہیں کیا' خود بانی پاکستان مسلم لیگ خلفشار وانتشار کا شکار رہی اور علاقائیت پرستی کا سدباب کرنے میں ناکام رہی' اگر مسلم لیگ میں نظریاتی قوت ہوتی اور اسے عوامی مقبولیت حاصل ہوتی تو پی پی پی کو جو کھلے بندوں سیکولرازم کو اپناتی ہے اور اس کی تبلیغ کرتی ہے' مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل نہ ہوتی اور ملک کے دولخت ہونے کا موجب نہ بنتی' اب بھی گو مسلم لیگ برسراقتدار ہے' اس کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ کسی نظریاتی قیادت کی اہل ثابت ہو سکے' ذرا شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے خلاف اندرون وبیرون ملک پروپیگنڈا ہوا' تو حکومت اس کے بارے میں متذبذب ہو' وہ خاک مسلم قومیت کا تحفظ ودفاع کرے گی چہ جائیکہ نظام اسلام نافذ کرے گی۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ چونکہ مسلم قومیت کا معاملہ خالصتاً دینی معاملہ ہے کہ مسلم قومیت کی بنیاد اسلام ہے' سیکولرازم کی مخالفت اور نظام اسلام کے نفاذ کا مقدس فریضہ بطور خاص علمائے کرام پر عائد ہوتا ہے اور وقت آگیا ہے کہ وہ اسے ادا کرنے پر کمربستہ ہو جائیں' اب تک یہ ہوتا رہا ہے کہ علمائے کرام نے انفرادی یا جماعتی صورت میں کسی سیاسی پارٹی کا ساتھ دیا' پہلے مسلم لیگ میں بعد ازاں آئی جے آئی میں اور یہ امید رکھی کہ اس سیاسی پلیٹ فارم سے نفاذ شریعت کی منزل مقصود حاصل ہو جائے گی' لیکن تلخ تجربے نے بتایا ہے کہ سیاسی عناصر علمائے دین کے اثر ورسوخ کو استعمال کرنے میں تو بہت مستعد ہوتے ہیں لیکن جب نفاذ شریعت کا وعدہ پورا کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے تو لیت ولعل سے کام لیتے ہیں اور ٹال جاتے ہیں' شریعت ایکٹ کو ہی لیجئے کہ اس میں امتناع سود کی شق ندارد ہے' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سود کے حق میں اور فیڈرل شریعت کوٹ کے فیصلے کے خلاف وزراء حضرات نے جو دلیلیں دیں' ان سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ اسلام کی بجائے شد ومد سے سیکولرازم کی تبلیغ کر رہے تھے' اس پس منظر میں یہ لابدی ہو گیا ہے کہ علمائے کرام اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنا الگ پلیٹ فارم بنائیں' جب بابری مسجد کے سانحے پر بھی حکومت اور اپوزیشن کسی متفقہ لائحہ عمل کے لئے اکٹھے نہ بیٹھ سکے اور مولانا سمیع الحق نے علمائے کرام کی طرف رجوع کیا تو ایک وقت کے لئے لگا کہ شائد ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو' لیکن جب اسلام آباد' لاہور اور کراچی میں کامیاب نمائندہ اجتماعات ہوئے تو پتہ لگا کہ سیاسی پارٹیوں سے مایوس ہو کر عوام قیادت کے لئے کسی اور طرف دیکھ رہے ہیں اور جی قومی قیادت کا یہ مہیب خلاء علمائے کرام ہی پر کر سکتے ہیں کہ پیشہ ور سیاسین نے موقع پرستانہ اور ذاتی منفعت اندوزی کی سیاست سے قومی شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے اور ہمارا تشخص ہی گہنا گیا ہے۔ بابری مسجد کی شہادت ہمارے سیاستکاروں کی قوم پرستی کا ٹیسٹ پیپر ٹیسٹ تھا کہ فوراً معلوم ہو جائے کہ وہ کس رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ صد افسوس کہ وہ اس ٹیسٹ میں ناکام نکلے۔ نہ انہیں مسلم قومیت سے کوئی حظ ہے نہ سیکولرازم کے خطرے کا کوئی احساس' اس صورت حال میں متحدہ دینی محاذ وقت کی سب سے بڑی ضرورت بن گیا ہے' وہی مذہب پر مبنی مسلم قومیت کی اہمیت کا ادراک کر سکتا ہے اور اس کی مضبوطی کا سامان واہتمام کر سکتا ہے اور وہی مسلمانوں کو اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے لیس اور تیار کر سکتا ہے' جس حقیقت کا ہمارے مغرب پرستوں اور سیکولرازم کے مبلغوں پر انکشاف نہیں ہوا وہ یہ ہے کہ امریکہ کا موجودہ عروج اس کے نظام حیات کے زوال کا نشان ہے اور اس بات کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ کرہ ارض پر طاقتی بالادستی حاصل کرنے کے باوجود' وہ شرف انسانیت کا شناسا نہ ہوا' اس عالمی انقلاب کے بعد بھی اس کا ذہن سفید فام قوموں کے غلبے کی تنگنائی اور ضیق میں بند اور مقید ہے' دنیا کی سرداری اسے متناسب ومتوازن مطمع نگاہ بھی نہ دے سکی۔ بش کا نیو ورلڈ آرڈر امریکہ کے نسلی تحکم کے تسلسل واستحکام کے اعلان کے سوا اور کچھ نہ تھا' یہ تو نوآبادیاتی دور کی طرف لوٹنے کی تمہید ہے تاکہ انسانی ارتقاء کی طرف دعوت سفر' اس کے برعکس مسلمان رب العلمین کے پرستار ہیں وہ عالمین کی حقیقت کے امین وراز دار ہیں اس لئے ہم انسانیت کی خدمت کے لئے سب سے زیادہ فٹ ہیں' کرہ ارض کی وحدت ہمارے اسلامی جوہر کو بروئے کار لانے کے لئے بڑی موزوں وراس ہے۔ جس مشن پر ہم رواں دواں ہیں وہ بیسویں صدی کے نسل پرست مغربی نظام کی جگہ ایک نیا نظام اقدار کھڑا کرنا ہے' نظام اسلام جس میں کالے گورے' مشرق ومغرب کی تمیز نہیں' جس میں عزت کا معیار ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" ہے ہم بنی نوع انسان کا مستقبل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام" تو امریکہ اور ہندو ہمیں کیا مٹائیں گے۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم وخلیل

لیکن پیشتر اس کے نظام اسلام کل دنیا میں قائم ہو' اسے پاکستان میں قائم ہونا چاہئے کہ وہ بنا ہی اس کے قیام کے لئے ہے۔ اسی لئے علمائے کرام کے فکر وعمل کے لئے موجودہ چیلنج ہے' لیکن پہلا کام

مسلم قومیت کی استواری ہے کہ اسی کی بنا پر نظام اسلام کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ البتہ تحقیق میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا اور بالکل درست اسی طرح ہو گا جیسا کہ دو جوتیاں برابر اور ٹھیک ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بدفعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسا ہو گا جو یہ کام کرے گا اور بنی اسرائیل کی قوم بہتر فرقوں میں منقسم ہو گئی تھی میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو گی جن میں سے ایک فرقہ جنتی ہو گا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنتی فرقہ کونسا ہو گا آپؐ نے فرمایا وہ فرقہ وہ ہو گا جو اس چیز پر چلے گا جس پر میں اور میرے ساتھی ہیں۔

تفکر و تذکر (۲)

دینی محاذ کا لائحہ عمل

ہمارے لئے مہلت عمل بھی بہت کم باقی رہ گئی ہے!

سلہری صاحب نے علمائے کرام اور مذہبی جماعتوں کو دعوت عمل دی ہے۔

بھارت میں بابری مسجد کی تہدیم عصر رواں کے اہم ترین واقعات میں سے ہے' اور اس کے بہت دور رس اور دیرپا نتائج کم از کم جنوبی ایشیا کے مستقبل پر تو فوری طور پر مترتب ہوں گے۔ تاہم اس وقت ان سب کا احاطہ مقصود نہیں ہے اور سردست اس کے جو دو اہم اثرات پاکستان کی ملکی سیاست اور اجتماعی سوچ کے ضمن میں ظاہر ہوئے ہیں صرف ان کے حوالے سے کچھ عرض کرنا ہے۔

ملکی سیاست کے میدان میں بابری مسجد کی شہادت کا جو فوری نتیجہ برآمد ہوا وہ یہ کہ حکومت اور اپوزیشن کی کشاکش اور محاذ آرائی کی شدت دفعتہً ختم ہو گئی۔ چنانچہ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ بابری مسجد کا سانحہ موجودہ حکومت کے حق میں ع عدو شرے بر انگیزد کہ خیرما در آں باشد!" کا مصداق کامل ثابت ہوا ہے۔ بلکہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ پاکستان میں اس کا جو عوامی رد عمل (جو ہرگز پسندیدہ اور دین و شریعت کے اعتبار سے درست نہیں تھا) ظاہر ہوا اسے پیدا کرنے یا کم از کم بھڑکانے میں حکومتی عناصر ہی کا ہاتھ تھا جنہوں نے اس کے ذریعے عوام کی توجہ پی ڈی اے کے لانگ مارچ سے ہٹا دی۔ دوسری طرف یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ بابری مسجد کا المیہ خود پی ڈی اے کے لئے اپنی مہم کی ناکامی کو چھپانے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہمیں اس بحث سے تو ہرگز کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ان میں سے کونسی بات درست ہے' البتہ پی ڈی اے کے اس سیاسی ایجی ٹیشن کے ماند پڑ جانے' بلکہ کم از کم وقتی طور پر بالکل ختم ہو جانے کا یہ منطقی نتیجہ ہمارے نقطۂ نگاہ سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی گہماگہمی کے باعث مذہبی جماعتیں جس طرح ایک دم منظر سے غائب اور پس منظر میں گم ہو گئی تھیں وہ صورت تبدیل ہو گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ حج کی آیت ۵ میں وارد شدہ تمثیل کے مطابق کہ "تم دیکھتے ہو کہ زمین مردہ پڑی ہوتی ہے لیکن جب ہم اس پر بارش برسا دیتے ہیں تو اس میں سرسراہٹ سی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ (اپنی روئیدگی کے ذریعے) اپھتی اور اوپر اٹھنے لگتی ہے!" مذہبی جماعتوں کے دھانوں میں بھی پانی پڑتا محسوس ہو رہا ہے اور ان کے حلقوں میں بھی حرکت و برکت کے آثار از سر نو ہویدا ہو رہے ہیں۔ اور یہ ہمارے نزدیک اس اعتبار سے بہت غنیمت ہے کہ چونکہ پی ڈی اے میں خالص اور کھلم کھلا سیکولر عناصر کو فیصلہ کن غلبہ حاصل ہے لہٰذا اگر اس کی زیر قیادت کوئی سیاسی ایجی ٹیشن کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا تو اس کے نتیجے میں پاکستان میں ترکی کی طرح کے خالص اور "عریاں" سیکولرزم کے قیام و نفاذ کی راہ ہموار ہو جاتی۔ بہرحال یہ حکومت اور اپوزیشن کے مابین محاذ آرائی کی شدت میں اس کمی ہی کا نتیجہ ہے کہ مذہبی عناصر پھر سیاسی منظر پر نمودار اور متحرک ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایک جانب سینیٹر مولانا سمیع الحق ایک نئے "متحدہ دینی محاذ" کے قیام کے لئے لنگر لنگوٹا کس کر میدان میں اتر آئے ہیں اور انہوں نے اوپر تلے تین کامیاب کنونشن بھی منعقد کر لئے ہیں جن پر اگرچہ بعض کالم نویس حضرات نے تو نہایت حوصلہ افزاء کالم لکھے ہیں تاہم ان کے بارے میں مولانا فضل الرحمٰن کا یہ تبصرہ یقیناً درست ہے کہ یہ مذہبی جماعتوں کے نہیں' صرف مذہبی شخصیتوں کے کنونشن تھے۔ دوسری جانب ایک دوسرے سینیٹر یعنی قاضی حسین احمد نے بھی اپنی صحت یابی کے بعد وارد لاہور ہونے پر اپنے اعزاز میں دیے جانے والے استقبالیہ میں از سر نو اتحاد کا نعرہ لگایا ہے۔ حالانکہ آئی جے آئی سے علیحدگی کے بعد جماعت اسلامی کے زعماء یہ کہتے رہے ہیں کہ آئندہ ہم "اتحادوں کی سیاست" سے کنارہ کش رہتے ہوئے خالص اپنی قوت و طاقت کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں گے یہاں تک کہ متذکرہ بالا استقبالیہ سے ایک ہی دن قبل خود قاضی صاحب کا بھی یہ "مبینہ" بیان اخبارات میں شائع ہو چکا تھا کہ اتحادوں کی سیاست ناکام ہو چکی ہے' لہٰذا ہم "اسلامی جمہوری محاذ" میں شامل نہیں ہوں گے۔ (اپنے اس بیان کی تو قاضی صاحب نے تردید کر دی ہے لیکن ان کی غیر حاضری کے دوران اسی قسم کے متعدد بیان قائم مقام امیر جماعت خرم مراد صاحب کے بھی شائع ہوئے تھے جن کی کوئی نفی نہیں ہوئی تھی۔)

بابری مسجد کی شہادت کا ایک دوسرا اہم نتیجہ جو پاکستان کی "اجتماعی سوچ" پر مترتب ہوا ہے یہ ہے کہ برعظیم پاک و ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے اعتبار سے پاکستان کا رول از سر نو بحث کا موضوع بن گیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ سوال بھی تحت الشعور سے ابھر کر شعور کی سطح پر نمودار ہو رہا ہے کہ آیا پاکستان کا قیام درست بھی تھا یا نہیں؟ اس لئے کہ اس وقت تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کو اپنے وجود کا جواز از سر نو "دریافت" کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ اور اس تلخ تر مسئلے سے قطع نظر کہ موجودہ پاکستان ایک "ثابت و سالم" ملک کی حیثیت سے اپنی آزاد و خود مختار حیثیت و برقرار بھی رکھ سکے گا یا نہیں' پاکستان کے قائم رہنے کی صورت میں بھی کم از کم فوری طور پر تو وہ بدترین اندیشے واقعات کا روپ دھارتے نظر آ رہے ہیں جو پاکستان کے شدید ترین مخالفین کی جانب سے ظاہر

کئے جاتے تھے۔۔۔ یعنی: "قیام پاکستان کے نتیجے میں بھارت میں مسلمان ختم ہو جائیں گے اور پاکستان میں اسلام!" اور چونکہ ان خدشات اور خطرات کا ازالہ صرف اس طرح ممکن ہے کہ پاکستان اپنے مذہبی تشخص کو از سر نو اجاگر کرے اور ع "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!" کے مصداق اپنی اصل منزل کا شعور از سر نو تازہ کرے' لہٰذا اس پس منظر میں بھی پاکستان میں علماء دین' مذہبی جماعتوں' اور مسلم فنڈا منٹلسٹ تحریکوں کا رول زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ اور تاریخ نے انہیں ع "پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!" کے مصداق ایک اہم موقع عطا کیا ہے کہ وقت کی نزاکت کے واضح شعور اور حالات کے تقاضوں کے فہم و ادراک کے ساتھ ملک و ملت کی کشتی کو گرداب سے نکالنے میں موثر کردار اور بھرپور رول ادا کریں۔ چنانچہ اسی کا ایک اہم مظہر جناب زیڈ اے سلہری کا وہ مضمون ہے جو حال ہی میں "دینی محاذ کی ضرورت کیوں؟" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

سلہری صاحب پاکستان کے معمر ترین اور سینئر موسٹ صحافیوں میں سے ہیں اور قائداعظم کے شیدائی ہونے کے ساتھ ساتھ کٹر مسلم لیگی اور سچے پاکستانی ہونے کے ناتے پاکستان کی اساس یعنی "مسلم قومیت" کے ساتھ ان کی وابستگی "وفاداری بشرط استواری" کے جملہ معیارات پر پوری اترتی ہے۔ پھر ان کی نگاہ جہاں پاکستان کے ماضی اور تحریک پاکستان کے اصل محرکات پر تو پوری طرح ہے ہی' وہاں وہ موجودہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور ان کے تقاضوں سے بھی ع "عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں!" کے مصداق اچھی طرح باخبر ہیں۔ اور الحمدللہ کہ ان کے خیالات میں جو ارتقائی تبدیلی کچھ عرصہ سے پروان چڑھ رہی تھی وہ ان کی حالیہ تحریر میں خاصی بلوغت کو پہنچی نظر آتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس میں جہاں ایک جانب یہ واضح اعلان کیا ہے کہ: "ہمارا تشخص مسلم قومیت سے وابستہ ہے جس کی بنیاد اسلام ہے!" وہاں اس سے آگے بڑھ کر غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان بھی کیا ہے کہ: "درحقیقت مسلمانان برصغیر نے مسلم قومیت کی بنیاد پر ملک بنا کر ایک بہت بڑے انقلاب کا بوجھ اٹھایا ہے اور ہم اس کی حقانیت کو نظام اسلام کے نفاذ ہی سے عملی طور پر ثابت کر سکتے ہیں اور اس مرحلے سے ابھی عہدہ برآ ہونا باقی ہے!"

مزید برآں اپنی اس تحریر میں سلہری صاحب نے اسلامی نظام کے عملی نفاذ کے سلسلے میں پاکستان کی جملہ قومی سیاسی جماعتوں سے کامل مایوسی کا اظہار بھی برملا طور پر کر دیا ہے۔ چنانچہ پیپلزپارٹی کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ تو ہے ہی کھلم کھلا سیکولر جماعت' انہوں نے کٹر مسلم لیگی ہونے کے باوجود نہ صرف موجودہ نام نہاد آئی جے آئی کی حکومت بلکہ خود مسلم لیگ سے بھی اپنی کامل مایوسی کا ببانگ دہل اعلان کرتے ہوئے علمائے کرام اور مذہبی جماعتوں کو دعوت دی ہے کہ وہ آگے آئیں اور ع "ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!" کے مصداق اپنا فرض منصبی ادا کریں۔

راقم الحروف کو نہ صرف یہ کہ سلہری صاحب کے اس تجزیئے سے صد فی صد اتفاق ہے بلکہ یہ احساس بھی ہے کہ ہمارے لئے مہلت عمل بھی بہت ہی کم باقی رہ گئی ہے اور اگر تین چار سالوں کے اندر اندر یہاں اسلامی انقلاب برپا نہ ہوا تو نہ صرف یہ ملک "تحلیل" ہو جائے گا۔ بلکہ یہ' خاکم بدہن' پورے برعظیم ہندو پاک سے بالکل پین کے مانند اسلام اور مسلمان دونوں کے کامل خاتمے کی تمہید ہوگی۔ اور مستقبل کا مورخ "خون دو عالم میری گردن پر!" کے مصداق اس کی پوری ذمہ داری تحریک پاکستان اور اس کے زعماء و قائدین پر عائد کرے گا!۔۔۔ لیکن اصل قابل غور مسئلہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے طریق کار اور اسلامی انقلاب کے منہج و منہاج کا ہے۔ جس کے واضح شعور اور صحیح ادراک کے بغیر اس مہم کا سر ہونا محال ہے!

اس سلسلے میں راقم کی مستقل اور سوچی سمجھی رائے تو یہ ہے کہ یہ عظیم مقصد ایک ایسی منظم جماعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا جس میں ایک معتدبہ تعداد میں ایسے لوگ شامل ہوں جو خود اپنی ذاتی اور خانگی زندگی میں شریعت اسلامی پر بالفعل عمل پیرا ہوں' اور ایک امیر سے "سمع و طاعت فی المعروف" کی بیعت کے رشتے میں منسلک ہو کر تن من دھن قربان کرنے پر تیار ہو جائیں۔ چنانچہ ایک ایسی جماعت کے قیام کے لئے ہی راقم نے ایک عرصہ سے اپنی پوری سعی و جہد کو وقف کیا ہوا ہے' تاہم حالات کی سنگینی اور وقت کی نزاکت کے پیش نظر راقم کا مشورہ یہ ہے کہ فوری طور پر تمام دینی اور مذہبی جماعتیں اور جملہ اہم دینی و روحانی شخصیتیں دو محاذوں کی صورت میں منظم ہو جائیں جن میں سے ایک "دینی سیاسی محاذ" ہو جس میں وہ تمام جماعتیں شریک ہو جائیں جو ملکی انتخابات میں حصہ لے کر سیاسی عمل کے ذریعے نفاذ اسلام کے لئے زور لگائیں' اور دوسرا "اسلامی انقلابی محاذ" ہو جو خالص مزاحمتی تحریک (رزسٹنس موومنٹ) کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے اور اس کے سلسلے میں "بالسان" یعنی وعظ و نصیحت سے آگے بڑھ کر مناسب قوت فراہم ہونے پر "بالید" یعنی قوت کے ساتھ بدی کے استیصال کے لئے کمربستہ ہو جائے اور منظم اور پرامن احتجاجوں' مظاہروں اور ہڑتالوں کے ذریعے غیر اسلامی اور ظالمانہ نظام کا راستہ روکتے ہوئے بالآخر سول نافرمانی اور سرکاری محصولات کی عدم ادائیگی کے ذریعے انقلاب برپا کر دے!

لیکن اس تجویز کی کامیابی کی شرط لازم یہ ہے کہ ان دونوں محاذوں کے مابین لائحہ عمل اور دائرہ ہائے کار کی تقسیم بھی بالکل واضح اور ہر اعتبار سے شک اور شبہ سے بالاتر ہونی چاہیے اور ان دونوں کے تنظیمی ڈھانچے' بھی اپنی اپنی جگہ واضح اور معین ہونے کے ساتھ ساتھ' واضح طور پر ایک دوسرے سے جدا ہونے ضروری ہیں یہاں تک کہ ان کی قیادت بھی بالکل علیحدہ ہونی لازمی ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کاموں کے تقاضے بالکل مختلف ہی نہیں ایک دوسرے کی کامل ضد ہیں۔ چنانچہ سیاسی اور انتخابی عمل میں "سکہ ہائے رائج الوقت" کا مناسب حد تک استعمال' اور "مقاصد ذرائع کو جواز عطا کر دیتے ہیں!" کے اصول کا ایک حد تک لحاظ ضروری ہے۔ اور ع "چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے!" کے مصداق تقویٰ' تدین' اصول پرستی' اور رزق حلال ایسے اعلیٰ چراغ ہاتھ میں لے کر موجودہ سیاسی آندھیوں کے میدان میں اترنا دنیوی اور عملی اعتبار سے تو یقیناً سعی لاحاصل ہے' صرف اخروی اجر و ثواب کا حصول پیش نظر ہو تو بات دوسری ہے! جبکہ دوسرے یعنی انقلابی عمل کے تو اصل اوزار اور ہتھیار ہی یہ ہیں اور ان کے بغیر اس میدان میں کامیابی تو کجا کسی قابل لحاظ پیش قدمی کا تصور تک ناممکن ہے!۔

یہ شرط اگر واضح طور پر پوری ہو جائے تو یہ دونوں محاذ ایک دوسرے کی تقویت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اور ان کے مابین تعاون کی نہایت موثر صورتیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ جبکہ بصورت دیگر اگر ان کے مابین طریق کار کے ضمن میں زبان پر انقلاب اور عمل میں سیاست کی دو عملی برقرار رہی تو جو مختصر

ی مہلت عمل ہمیں حاصل ہے وہ ۔" اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں ۔ کبھی سوز و ساز رومی ' کبھی پیچ و تاب رازی!" کے مصداق گذر کر رہ جائے گی ۔ اور منزل کی جانب کوئی پیشقدمی نہیں ہوسکے گی ۔ جس کے ہولناک نتائج کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔

اس پس منظر میں جمعیت علماء اسلام (مولانا فضل الرحمٰن گروپ) اور جمعیت علمائے پاکستان (مولانا نورانی گروپ) پر مشتمل " اسلامی جمہوری محاذ" وسیع تر اسلامی سیاسی اتحاد کا نقطۂ آغاز بن سکتا ہے ۔ اور راقم نے تو اس کے قیام کو اس اعتبار سے بھی خوش آمدید کہا تھا کہ اگر اس کے ذریعے سیاسی میدان میں کوئی عملی پیشقدمی نہ ہوسکے لیکن دیوبندی بریلوی تلخی ہی میں کچھ کمی واقع ہوجائے تب بھی گھاٹے کا سودا نہیں ہے ۔ اب ضرورت ہے کہ وہ تمام جماعتیں اور شخصیتیں جو انتخابی عمل کے ذریعے اسلام کی خدمت کا داعیہ رکھتی ہوں انہیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور انانیت کو ختم کرتے ہوئے ع "قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم!" کے مصداق ایسے کسی محاذ میں صرف شامل ہی نہیں مدغم ہوجانا چاہیے۔

باقی جماعت اسلامی ہو یا جمعیت علماء اسلام (سمیع الحق گروپ) یہ اگر کوئی اور اتحاد قائم کرنا چاہیں تو " اسلامی انقلابی محاذ" کا میدان نہ صرف یہ کہ کھلا ہوا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ "جا ایں جاست!" کے مصداق اسلامی نظام کے قیام کی جنگ اصلاً" اسی میدان میں لڑی جائے گی اور اس محاذ پر ایک موثر طاقت کے ظہور کے بغیر اس عظیم مقصد کا حصول ناممکن ہے! چنانچہ ان میں سے جو جماعت بھی انتخابی سیاست سے کامل کنارہ کشی کا اعلان کر کے خالص رزسٹنس موومنٹ کی حیثیت سے کام کرنے کا اعلان کرے وہ راقم الحروف اور اس کی مختصر سی تنظیم کو اپنا ادنیٰ خادم پائے گی!

باقی رہے اہل حدیث اور اہل تشیع ' تو اگر انہیں واقعۃً اپنے اپنے مسلکوں سے زیادہ "اسلام" عزیز اور مطلوب ہے ' تو ان کے اکابر کو اپنی ذاتی انا کے ایثار کے ساتھ ساتھ اپنے مسلک کے ضمن میں بھی کسی قدر لچک اور قربانی کی راہ اختیار کرنی پڑے گی ۔ اس سلسلے میں انہیں وقت اور مسئلے کی نزاکت کا احساس کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ اگر خدانخواستہ پاکستان ہی باقی نہ رہا ' یا اگر باقی تو رہا لیکن یہاں خالص سیکولر نظام قائم ہوگیا تھا تو خود ان مسلکوں کو کیا حاصل ہوگا؟ ان میں سے اہل حدیث حضرات کا معاملہ اس اعتبار سے آسان ہے کہ مسلک حنفی میں بھی تو حدیث کے ان ہی مجموعوں کو مستند اور مستدل مانا جاتا ہے جو آپ کے نزدیک معتبر ہیں ' اور اہل تشیع کے لئے معاملہ اس اعتبار سے زیادہ قابل غور ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں اگرچہ مسلم فنڈا مینٹلسٹ عوام اور جماعتیں تو تمام مسلمان ملکوں میں موجود ہیں لیکن حکومتی اور سرکاری سطح پر واحد فنڈا مینٹلسٹ ملک ایران ہے ۔ اور وہاں کا نعرہ ہی یہ ہے کہ " لا شرقیہ ' لا غربیہ ۔ اسلامیہ ' اسلامیہ !" اور " لا شیعیہ ' لا سنیہ ۔ اسلامیہ ' اسلامیہ !" اس کا تقاضا ہے کہ پاکستان کے اہل تشیع بھی عملاً خالص سیکولر عناصر کا ساتھ چھوڑ کر وہ راہ اختیار کریں جس سے پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہوسکے یعنی پرسنل لاء میں مکمل آزادی کے ساتھ پبلک لاء اور قانون ملکی میں اکثریت کے مسلک کو تسلیم کرنے کا وہی فارمولا اختیار کرلیں جو ایران میں اختیار کیا گیا ہے ۔ چنانچہ ایک قدم تو انہوں نے بحمداللہ اٹھایا ہی لیا ہے یعنی " تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" میں سے " نفاذ" کا لفظ حذف کردیا ہے۔ اب ذرا مزید ہمت کریں اور ایک قدم مزید اٹھالیں--- اور پھر اہل حدیث بھی طے کرلیں اور اہل تشیع بھی کہ "اسلامی سیاسی محاذ" پر برسرعمل ہونا ہے یا " اسلامی انقلابی محاذ" پر!

مستقبل میں اسلام کے عالمی غلبہ '

یعنی "خلافت علی منہاج النبوہ" کے عملی تقاضوں کے فہم کے لئے ایک

یک روزہ خلافت کانفرنس

بمقام قرآن اکیڈمی ' ۲۵۔ آفیسرز کالونی ' ملتان ' بروز منگل ' ۲۶ر جنوری ۹۳ء

منعقد ہوگی ' (ان شاء اللہ) ۔ جس میں حضرات علماء ' معزز وکلاء اور دانشور حضرات اظہار خیال فرمائیں گے

پہلا اجلاس عصر تا مغرب اور دوسرا اجلاس بعد مغرب تا ۹ بجے شب منعقد ہوگا۔

متوقع شرکاء کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱) حضرت مولانا محمد ازہر صاحب ' مدیر الخیر ' ملتان '
۲) حضرت مولانا منظور احمد تونسوی ' ملتان
۳) حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب ' ملتان
۴) جناب وزیر احمد غازی صاحب ' ایڈووکیٹ (جماعت اسلامی)
۵) جناب پروفیسر منہاج الدین صاحب (تنظیم اساتذہ)

المعلن: ناظم تحریک خلافت پاکستان ' ملتان ۲۵۔ آفیسرز کالونی ' فون: ۵۲۰۴۵۱

نئی دنیا کو اسلام کی دعوت کیسے دی جائے

بدلے ہوئے حالات میں تبلیغ کا انداز بدلنا ہوگا

ترکی کے ایک بزرگ شیخ سید محمد ناظم کے خیالات جن سے پورے طور پر اتفاق تو شاید نہ کیا جاسکے تاہم اس میں ہمارے لئے غور و فکر کا سامان موجود ہے!

عبدالکریم عابد

امت مسلمہ کا بنیادی فریضہ شہادت حق ہے۔ یہ فریضہ ادا کرنے کیلئے دنیا میں نہ کوئی نیا رسول آئے گا اور نہ کوئی نئی امت تشکیل پائے گی۔ آخری نبیؐ کی آخری امت کو ہی یہ ذمہ داری تفویض کی گئی ہے کہ وہ اسلام اور قرآن کے پیغام کو دنیا کے ہر ہر حصے اور طبقے میں پہنچائیں۔ یہ دعوتی اور تبلیغی کام ہی مسلمانوں کا مقصد اولیٰ ہے جسے تبلیغ کا نام بھی دیا گیا ہے اور حال ہی میں ایک اخباری ادارہ کی مجلس میں تبلیغ اور خاص طور پر یورپ میں تبلیغ اسلام کے موضوع پر ترکی کے ایک عالم دین اور سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ شیخ سید محمد ناظم العادل الحقانی القبرصی نے اظہار خیال کیا ہے جو اسلامی تحریکوں اور اس کے کارکنوں کیلئے اہم اور توجہ طلب ہے۔

سید محمد ناظم العادل کا فرمانا ہے کہ مسلمانوں کے اعمال دیکھ کر لوگ اسلام سے بھاگ رہے ہیں۔ یورپی لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کا اسلام کہاں ہے؟۔ دنیا کا کوئی ایسا حصہ بتایئے جہاں اسلام کی برکتیں دیکھی جا سکتی ہوں ورنہ خود مسلمانوں کو ہم دیکھتے ہیں تو ان سے ہم ہی اچھی حالت میں ہیں۔ ترک بزرگ نے دوسری بات یہ کہی کہ یورپ میں تبلیغ کا نام ہی نام ہے' شتر بے مہار کی طرح لوگ بھٹکتے ہیں اور نتائج حاصل نہیں کر سکتے۔ کروڑوں روپے کی امداد سے اسلامی سنٹر چل رہے ہیں لیکن وہ اسلام کی بجائے مختلف مسلمان ملکوں کے سیاسی مفاد کیلئے کام کرتے ہیں۔ جو لوگ اور ادارے نیک نیتی سے تبلیغ کرتے ہیں' وہ بھی تبلیغ کا صحیح طریقہ نہیں جانتے۔ اسلام برداشت' تحمل اور رواداری کا سبق دیتا ہے' اس کی تعلیم ہے کہ دین کو احسن طریقے سے پیش کرو مگر ہمارا رویہ اس سے بالکل ہٹ کر ہے۔ ایک بات اور انہوں نے یہ کہی کہ مغرب کو آپ دماغ کے راستے دین پر نہیں لا سکتے' عقل میں وہ آپ سے کہیں زیادہ ہیں اس لئے قلب سے اپیل کرنی ہو گی اور یہ صوفیانہ طریقے سے ممکن ہے مگر پاکستان کی تبلیغی تنظیمیں تصوف سے ناواقف ہیں۔

ترک بزرگ کے خیالات سے قطع نظر' یہ ایک اہم سوال ہے کہ مسلمان دوسروں تک حق پہنچانے کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں یا نہیں اور نہیں کر رہے ہیں تو اس کیلئے انہیں کیا کرنا چاہئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے کئی سو سال حکومت کی۔ اگر اس حکومت کے دوران مسلمان صرف معاشرتی مساوات کی اسلامی تعلیم ہی کا مظاہرہ کرتے تو وہ ہر جگہ اکثریت میں ہوتے لیکن مسلمانوں نے اس معاشرتی مساوات کو چھوڑ کر خود بھی ہندوؤں کے ذات پات اور چھوت چھات کے فلسفہ کو اپنا لیا۔ جن لوگوں کو اونچی ذات کے ہندو نیچ سمجھتے اور ناپاک خیال کرتے تھے' ہم نے بھی انہیں نیچ اور ناپاک خیال کیا جبکہ عیسائی مشنریوں نے درجہ انسانیت سے گرے ہوئے لوگوں کو پست سطح سے اوپر اٹھانے کیلئے کام کیا اور انہیں عیسائی بنانے میں وہ کامیاب رہے۔ تاہم ان کی عیسائیت چونکہ مغربی سامراجیت کا ایک شاخسانہ تھی اور سلطنت کیلئے وفادار طبقہ پیدا کرنا مقصود تھا اس لئے یہ کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔ پھر بھی آسام اور ناگا لینڈ کے شمالی حصوں' جنوبی ہند اور خود پنجاب میں انہیں ایسی کامیابی حاصل ہوئی ہے جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں۔

افریقہ میں بھی عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ وہاں ابھی بہت سے قبائل بت پرست ہیں اور انہیں فیصلہ کرنا ہے کہ وہ عیسائیت اختیار کریں یا اسلام۔ برصغیر میں جو علاقہ مسلم اکثریت کا ہے' وہ بنیادی طور پر ہندومت کا علاقہ نہیں تھا۔ یہاں بدھ مذہب کے ماننے والے افغانستان' پنجاب اور سندھ میں بہت تھے جنہیں ہندو راجاؤں نے زبردستی غلام بنا رکھا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کو انہوں نے اپنے لئے نجات کا سبب سمجھا اور بدھ آبادی مسلمان ہوتی چلی گئی۔ ان کے ساتھ ہندو بھی مسلمان ہوئے لیکن ہندومت کے اصل علاقہ میں اسلام کی یلغار رک گئی تھی اور اب تک رکی ہوئی ہے۔ اب ہمارا خیال ہے کہ ہندوؤں سے تو چونکہ ہماری قومی عداوت قائم ہو گئی ہے اس لئے انہیں چھوڑ دیں

اور یورپ جا کر تبلیغ اسلام کریں۔

سب سے پہلے قادیانیوں نے یورپ جا کر اپنے مشن قائم کئے اور اس بات پر وہ نازاں تھے کہ یورپ میں تبلیغ صرف ہم کر رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان تاجر جو مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے' وہ بھی قادیانی مشن کو پیسے دیتے تھے کہ چلو یہ جیسے بھی ہیں لیکن اسلام کا نام یورپ میں پہنچا رہے ہیں اس لئے اس ضمن میں ان کی مدد کرنی چاہئے۔ بعد میں دوسرے مسلمان عالموں اور بزرگوں نے بھی یورپ میں اپنے تبلیغی مشن قائم کئے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے والد محترم شاہ عبدالعلیم کا ورلڈ اسلامک مشن کافی مشہور رہا ہے۔ اس نے اچھا خاصا کام بھی کیا لیکن اس انداز کی تبلیغ سے وہ فریضہ شہادت حق ادا نہیں ہو سکتا تھا جو امت مسلمہ کی اصل ذمہ داری ہے۔ اسلام کی تبلیغ صرف مذہب پھیلانے کیلئے نہیں ہوتی ہے' انقلاب برپا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اس تبلیغ کا مقصد چند یا بہت سے لوگوں کا عقیدہ درست کرنا نہیں' اس سے کہیں بڑھ کر یہ ہے کہ نظام باطل ختم ہو' نظام حق جاری وساری ہو جائے اور دنیا کو ایک نئی امامت اور قیادت حاصل ہو جو تاریخ کے دھارے پر اثرانداز ہو۔

اس تناظر میں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ چند مسلمانوں کو علم کلام ومناظرہ سکھا کر مختلف ملکوں میں اپنا مذہب پھیلانے کیلئے بھیج دیا جائے کیونکہ اس طرح اگر مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو تب بھی یہ اصل مقصد کیلئے کافی نہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں' یہ پہلے ہی بہت ہیں لیکن بہت ہونے کے باوجود اسلام کہیں نہیں ہے' نہ ہمارے اپنے ملکوں میں اور نہ دوسرے دیس میں۔

اسلامی دعوت اور تبلیغ کے سلسلہ میں یہ بھی ایک نقطہ نظر ہے کہ پہلے مسلمانوں کو مسلمان بناؤ۔ یہ نسلی مسلمان اصلی مسلمان بن جائیں گے اور صحیح معنوں میں ایک مثالی اسلامی معاشرہ قائم کر لیں گے تو ساری دنیا اس کی برکات کا مشاہدہ کر کے از خود قائل ہو گی۔ دنیا کے پاس اتنی فرصت نہیں ہے کہ وہ اسلام پر لیکچر سنے پھر ہر شخص لیکچروں کو سمجھ بھی نہیں سکتا نہ تحقیق مذاہب کا جویا ہو سکتا ہے۔ مگر جو چیز عمل میں ہو گی' وہ توجہ کو لازماً اپنی جانب کھینچے گی اور دیکھی سمجھی بھی جائے گی۔ پھر اسے لوگ اپنا بھی لیں گے اور اصل شہادت حق یہی ہے کہ حق کو معاشرہ میں مجسم اور جاری وساری کر کے بتایا جائے۔ چنانچہ تبلیغ کا پہلا مرحلہ نامسلمانوں کو مسلمان بنانا ہے اور مسلمان ملکوں میں اسلامی نظام اور معاشرہ بالفعل قائم کرنا ہے۔ مختلف قوموں اور ملکوں کیلئے ان کی زبانوں میں تھوڑا بہت اسلامی لٹریچر تیار تو ضرور ہونا چاہئے اور اسلام کی اشاعت بھی ہوتی رہنی چاہئے تاہم بنیادی توجہ مسلمان عوام اور مسلمان ملکوں پر ہونا چاہئے' انھی کی حالت بدل کر دنیا کے سامنے اسلام کا نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمانوں کی حیثیت ان بگڑے ہوئے مسلمانوں کی ہے جن کو یہود و نصاریٰ کہا گیا۔ ان کے پاس حق تھا' کتاب تھی لیکن وہ ان کے کسی کام نہیں آئی اور بحیثیت مجموعی یہ ضال اور مغضوب علیہم گروہ قرار پائے۔ یہی حال موجودہ مسلمانوں کا ہے' ان سے کوئی توقع رکھنا بے کار ہے۔ سابقہ یہود ونصاریٰ کی ایک ایک برائی ان میں موجود ہے' یہ اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھتے ہیں اور اتراتے پھرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ خدا کی محبوب قوم ہیں اور خدا لازمی طور پر معرکہ میں ان کا مددگار ہو گا۔ یہ اپنے مفادات کیلئے کتمان حق کرتے ہیں' ان کے احبار ورہبان ان کے جھوٹے خدا ہیں اور انہیں عذاب کے راستے پر لے جاتے ہیں۔ ان کے امراء اور حکام خودغرضی وہوس میں ڈوب گئے ہیں جو قومی رہنمائی کی بجائے قوم کو مزید بدراہ کرتے ہیں۔ خود عوام الناس کا یہ حال ہے کہ توہمات ان کا مذہب' تفرقہ ان کی سیاست اور خراب وخستہ ان کی معیشت ہے لیکن وہ اس حال میں ہی مست ہیں۔ کوئی جوہر ان میں موجود نہیں' یہ تاریخ کا فضلہ ہیں جس سے بس بدبو اٹھے گی۔ یہ اپنا دین و دنیا دونوں برباد کر چکے ہیں۔ مذہب کے نام پر ایک منافقت چل رہی ہے ورنہ حقیقی مذہبی روح ان میں کہیں نہیں اس لئے ان سے کوئی توقع ہی بے کار ہے اور کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ امت مسلمہ میں کہیں سے کوئی نیا خون شامل ہو۔ اس نئے خون سے نیا ابھار پیدا ہو گا۔ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا کہ عرب بے کار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ترکوں کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا دے دیا۔ ہندی اور افغانی مشرف بہ اسلام ہو گئے اور نئی نئی قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں جس سے جمود ٹوٹا' نیا منظر پیدا ہوا اور اب بھی کسی نئے منظر کیلئے کسی نئی قوم کو اسلامی سچائیوں کا امین بن کر اٹھنا چاہئے ورنہ موجودہ مسلمانوں پر اٹھا رکھا گیا تو یہ وہ درخت ہے جو سوکھ گیا ہے اور اس پر پھل آنے کے کوئی آثار نہیں۔

یہ دونقطہ نظر اگرچہ متصادم ہیں مگر دونوں توجہ طلب ہیں۔ مسلمانوں کے بغیر "اسلام" کا کوئی وجود یا اظہار نہیں ہو سکتا اس لئے مسلمانوں کی حالت بدلنے کی کوشش لازمی ہے۔ مسلمانوں کو جوں کا توں رکھ کر اسلام کو نیک نام بنانے کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مسلمانوں کا مجموعی طرز عمل ایسا ہے کہ اس سے نفرت اور وحشت پیدا ہو یا وہ ایک مضحکہ نظر آئیں یا قابل رحم حالت میں مبتلا پائے جائیں تو ایسے مسلمانوں کی وجہ سے اسلام کے متعلق بھی غلط تاثر دنیا میں عام ہو گا۔ گویا دعوت اسلامی کا اولین مخاطب بہرحال مسلمانوں کو ہونا چاہئے اور اصلاح کی پہلی کوشش اصلاح المسلمین کے سلسلہ میں ہونی چاہئے جب کہ دوسرے نقطہ نظر کا اپنا ایک وزن ہے۔ اس نقطہ نظر کو اس کے شدت اظہار کی بنا پر ناپسند کیا جاسکتا ہے وگرنہ یہ حقیقت ماننی ہو گی کہ ملت اسلامیہ کو نئے خون کی ضرورت ہے۔

ماہرین کی رائے یہ ہے کہ وہ خاندان جو آپس میں ہی شادی بیاہ کے ذریعہ محدود ہوتے ہیں' ایک طبعی کمزوری اور بہت سی بیماریوں کا حامل ہو جاتے ہیں اور یہ بیماریاں ایک بند دائرے میں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اگر قوموں اور نسلوں کا اختلاط ہو تو ایسی نسل پیدا ہوتی ہے جو ذہنی وجسمانی خوبصورتی اور توانائی کے لحاظ سے بہتر ہوتی ہے۔ اس خیال کے مطابق مذاہب اور ملتوں کو بھی ایک خاص وقفے کے بعد تازہ خون کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ نہ ملے تو وجود گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے اس پر بھی سوچنا چاہئے کہ ہم نیا خون کہاں سے اور کس طرح سے حاصل کرسکتے ہیں۔ یہاں پھر ہمیں دونقطہ نظر ملتے ہیں' ایک یہ ہے کہ ہمیں مغرب سے لڑنا ہو گا' ہندو و یہود سے تصادم مول لینا ہو گا اور اس میں فتح مند بن کر ابھریں گے تو اسلام کا جہاں وسعت پذیر ہو سکے گا ورنہ وہ ہمیں نوالہ بنا لیں گے' ہمارا وجود بھی نہیں رہے گا اس لئے معرکہ آرائی کے طبل بجاؤ' فیصلہ کن تصادم کیلئے لشکر آرائی کرو اور سر ہتھیلی پر رکھ کر جنگ و جہاد کا علم لہراؤ۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ گیا ہے۔

جب کہ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مومن کی اصل لڑائی بے تیغ لڑائی ہے' اس میں وہ قلوب اور اذہان کو فتح کرتا ہے' قومی' نسلی' علاقائی عصبیتوں کی دیواروں کو گراتا ہے اور ان دیواروں کو گرانا ہی اصل مسئلہ ہے۔ مغرب میں پہلے پادریوں نے اسلام کے خلاف ایک دیوار عصبیت کھڑی کی' پھر موجودہ مادہ پرستانہ مغربی تہذیب نے ان دیواروں کو اور اونچا کیا اور مسلمانوں کے متعلق مغربی معاشرہ میں ایک خراب تاثر کو عام کیا گیا ہے۔ یہ خراب تاثر قائم کرنے میں ہم نے بھی مغرب کے اسلام دشمنوں کی مدد کی ہے اس لئے پہلے رابطہ قائم کیا جائے' غلط تاثر کو دور کرنے کا کوئی بندوبست ہو اور اہل اسلام کو ان سے متعارف کرایا جائے۔ محض جوش جہاد یا بے جا تفاخر کا شکار ہو کر بھڑ جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور دنیا میں مسلمانوں کی ہر جگہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ نسلی و قومی جنگ کے حالات کو ختم کرکے ایسی فضا بنانے کی کوشش کریں جس میں دوسری قوموں اور ملتوں سے ڈائیلاگ ہو سکے اور مجادلہ کی بجائے مذاکرہ ہو تاکہ اسلام کو صحیح صحیح ان تک پہنچایا جائے ورنہ نسلی اور قومی جنگوں کی آگ انہیں بھی بھسم کرتی ہے اور اسلامی دعوت کے امکانات کو بھی۔

یہ دونوں نقطہ نظر وزن رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کی قومی اور وطنی حیثیتیں بھی ہیں' ان حیثیتوں میں ان کا دوسری قوموں اور اوطان سے ٹکراؤ ہے اور ہر ٹکراؤ کے لئے بھی تیاری ناگزیر ہے لیکن ٹکراؤ کو ٹالنے کا فن بھی آنا چاہئے اور ہمیں دنیا کی سب قوموں سے زیادہ اس کے لئے کوشاں ہونا چاہئے کہ دنیا لڑائی بھڑائی کی نہیں' افہام و تفہیم کی دنیا ہو اور بات سمجھنے کی فضا عام ہو۔ اس نقطہ نظر سے ہمیں یورپ ہی نہیں' اپنے سب سے بڑے مخالف ہندوستان کو بھی دیکھنا چاہئے کہ عام ہندو تک اسلامی پیغام کی رسائی کیسے ہو سکتی ہے اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ قومی عداوت کا موجودہ ماحول ختم کرکے ایک نئی فضا بنائی جائے جس میں کسی ہندو کے لئے یہ ممکن ہو جائے کہ وہ مطالعہ اسلام کرے اور حق کے لئے اس کے سینے میں کشادگی پیدا ہو۔

ہم یورپ میں تبلیغ کی باتیں کرتے ہیں' وہاں بھی تبلیغ ضرور ہونی چاہئے لیکن اس برعظیم پاک و ہند کے متعلق یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہاں کسی کو مسلمان کرنے کی ضرورت نہیں' یہاں کسی کے مزید مسلمان ہونے کا امکان بھی نہیں اس لئے بس اپنی جنگ کا علم اٹھائے اٹھیں اور شہادت حق یا دعوت و تبلیغ کو اپنے لائحہ عمل سے خارج سمجھیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں ہم مسلمانوں سے یورپ سے زیادہ اس برعظیم کے بارے میں پوچھ ہوگی کہ سینکڑوں سال وہاں رہنے بسنے کے بعد اسلام کے پیغام کو دلوں میں اتارنے کیلئے کیا کچھ کیا گیا؟۔

ترک عالم دین اور بزرگ نے تصوف کی بات بھی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو لوگ تصوف کے خلاف ہیں ان کے دلوں میں بغض' حسد اور سختی ہے اس لئے ان کا طریقہ تبلیغ بھی سخت اور کرخت ہے جبکہ تصوف کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہم لوگوں کو دماغ کے راستے دین پر نہیں لاسکتے۔ اس کے لئے ان کے قلب کو متاثر اور مسخر کرنا ہوگا۔ یہ نکتہ بھی توجہ طلب ہے۔ تصوف کے نام پر بہت سی خرابیاں عام ہوتی رہی ہیں مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اشاعت اسلام کے سلسلہ میں صوفیاء کا طریق کار کامیاب رہا ہے جس کا مطالعہ کیا جانا چاہئے اور اسلامی تحریکوں کو اس سے استفادہ کرنا چاہئے۔ اگر امریکہ اور یورپ میں ہندو جوگی شہرہ حاصل کرسکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان تبلیغ کے لئے صوفیاء کے طریقوں کو اختیار نہ کریں۔ متلاشیان حق کا ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو روحانی بے چینی کا شکار ہے' اسے اپنا قلبی اطمینان چاہئے اور اس کے لئے وہ عقلی اور علمی موشگافیوں کی بجائے افکار واشکال سے روحانی سکون حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے اسلامی تحریکوں کے داعیوں کے پاس ضرور کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے لیکن آج بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ پرانی دنیا ہر جگہ ٹوٹ رہی ہے اور ہر ایک یہ سوچتا ہے کہ اکیسویں صدی کا جہاں نو کیا ہونا چاہئے اس کے لئے اسلامی بنیادوں کو واضح کرنا ہوگا اور اس مقصد کے لئے علمی جنگ بھی لڑنی پڑیگی۔

ایک بڑا مسئلہ مسلمانوں کی مختلف قومی جنگوں کا ہے جو کشمیر سے لے کر فلسطین تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان جنگوں سے دستبرداری اختیار نہیں کی جاسکتی مگر مسلمان آزاد نہیں ہیں کہ وہ یہ جنگ جس طرح چاہیں لڑیں۔ انہیں ہر جگہ اپنی جنگ کو اسلامی ضابطہ اور اخلاق کے مطابق رکھنا ہوگا۔ ایسی دہشت گردی جس میں معصوم لوگ نشانہ بنیں یا راہ چلتے پر حملے ہوں کسی طرح جائز نہیں ہے اور مغرب کی کوشش یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرے۔ ہمیں یہ الزام خواہ مخواہ اپنے آپ پر اوڑھ کر اپنے لئے اور اسلام کیلئے نئی رکاوٹ اور مصیبت نہیں کھڑی کرنی چاہئے۔ ○

○

ضروری تصحیح

پچھلے شمارے میں تحریک خلافت پاکستان کے دستور دفعہ ۱۳ (متفرقات) کی ذیلی دفعہ "سی" یوں پڑھی جائے:

"تحریک خلافت پاکستان کے ختم کئے جانے (Dissolve) کی صورت میں اس کا تمام فاضل سرمایہ (Net assets) یعنی اثاثے اور رقم جو واجب الادا رقوم اور قرض کی واپسی کے بعد بچ رہے گا' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کو منتقل کردیا جائے گا"۔۔۔۔۔۔(ادارہ)

کیا کس نے جگرداری کا دعویٰ؟

شناختی کارڈ میں مذہبی خانے کے اضافے کا فیصلہ واپس لینے پر حکومت کے خلاف تنظیم اسلامی کی زیر قیادت پر امن احتجاجی مظاہرے کی روداد

لیجئے اب آپ کو ایک ایسا منظر دکھاتے ہیں جو آپ کے دل میں شدائد زیست سے دھندلایا ہوا جوش ایمان تازہ کرنے والا ہے۔ یہ اس باوقار' منظم اور پر امن مظاہرے کا منظر ہے جو صرف تنظیم اسلامی ہی کا امتیاز ہے۔ یہ مظاہرہ ۱۳ر جنوری بروز بدھ بعد نماز عصر ناصر باغ لاہور سے شروع ہو کر بھاٹی چوک پر اختتام پذیر ہوا۔ اور اپنے فقید المثال نظم و ضبط' ترتیب اور باہمی یگانگت سے ایک ایسی مثال قائم کر گیا جو اس لھو ولعب اور "چھینا جھپٹی" میں مبتلا معاشرے کو یہ سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ مظاہرہ اور توڑ پھوڑ' املاک کا نقصان' ہڑبونگ ایک دوسرے سے مختلف چیزیں ہیں۔ نظم و ضبط اور ترتیب و تدبر' صرف انسانیت کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا ہی نہیں دین و تقویٰ کا بھی تقاضا ہیں۔

عصر کی نماز کے وقت مقررہ مقام پر ناصر باغ کے گیٹ کے پاس رفقائے تنظیم' معاونین تحریک خلافت اور اہل محبت اس مظاہرے میں شرکت کے لئے جمع تھے۔ قائدین نے عصر کی نماز جناح ہال کے بالمقابل سرسبز پلاٹ میں ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ امامت ناظم تحریک محترم عبدالرزاق صاحب نے فرمائی۔ نماز کے بعد نقیب اعلیٰ زون نمبر۲ طارق جاوید صاحب نے نظم وضبط' ترتیب' اکرام' نظر و نیت میں بطور اہتمام راہنما ہدایات دیں۔ ناظم لاہور غازی وقاص نے قائدین کے اسمائے گرامی سے شرکاء کو آگاہی دی اور پھر مظاہرے کے منتظمین رفقاء کی ڈیوٹی کا تعین کیا۔ تب دعا مانگی گئی۔ دعا کے بعد شرکائے قافلہ کو مقام مظاہرہ پر جمع ہونا تھا جہاں مظاہرے کا اسباب و سامان رکھا تھا۔ ٹی بورڈز پر دین کی عظمت' حکومت وقت کی منافقت' شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کے اجراء کا التوا' سود کی ممانعت اور دیگر اس نوع کی تنبیہی عبارات درج تھیں۔

پندرہ فٹ لمبے کپڑے کو دو بانسوں کی مدد سے کناروں سے باندھا گیا تھا اور اس بینر (Banner) پر شناختی کارڈ والے مضمون کو زیادہ تفصیل سے درج کیا گیا تھا کیونکہ وہی آج کے مظاہرے کا اصل محرک تھا۔

شرکاء کے جمع ہونے پر سب سے پہلے قطار بندیاں وجود میں لائی گئیں۔ چار طویل قطاروں میں شرکاء ہاتھوں میں ٹی بورڈ اٹھائے منظم ہو گئے۔ قافلے کے آغاز میں پندرہ فٹ لمبا بینر دو بانسوں کی مدد سے فضا میں بلند ہو گیا۔ ان دونوں بانسوں کو چار مضبوط ہاتھوں نے گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اس بینر کے آگے موٹر گاڑی تھی جس کی چھت پر لاؤڈ سپیکرز تھے۔ ان میں سے آنے والی روح پرور صدائیں شرکاء کے لہو کو گرما رہی تھیں۔ اسی طرح کا منظر قافلے کے عقب میں تھا۔ چار مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں بینر اور اس کے بعد گاڑی پر لاؤڈ سپیکر سے آنے والی دھڑکنیں بڑھاتی ہوئی' روح کو گرمائی ہوئی صدائے معلنین فضا میں بلند ہو رہی تھی۔ یہ صدا بنیادی طور پر تو ان احساسات اور جذبات کی ترجمانی کر رہی تھی جو شناختی کارڈ سے متعلق حکومت کے منافقانہ اقدام کے رد عمل میں ہر مخلص مسلمان کے دل میں موجزن ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی شرکائے مظاہرہ کے ہی نہیں بلکہ ارد گرد کے لوگوں کے جذبہ ایمان میں تحریک کا باعث بھی ہو رہی تھی کہ اس تحریک کے لئے مظاہرے کا مخصوص منظم انداز "خاموش عوامی اکثریت" کو متاثر کرنے میں اس صدا کا اس نوائے سروش کا سب سے بڑا معاون تھا۔

سب سے آگے ٹریفک پولیس کے اہلکار ہر دو صورتوں میں یعنی پیدل اور موٹر سائیکلوں پر قافلے کو "اسکورٹ" کرنے کے لئے تیار اور مستعد کھڑے تھے۔ ادھر مقامی پولیس کے افراد بھی ہیلمٹس پہنے قافلے کے ارد گرد موجود تھے جو حکومت کے احساس جرم کے غماز تھے حالانکہ ایک عالم تنظیم اسلامی کی بے مثل ترتیب و تشکیل کا معترف ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ تنظیم کے کسی مظاہرے میں کسی افراتفری' کسی منفی رد عمل کا کوئی احتمال نہیں ہے' مگر ارباب اختیار کے اس دل کے چور کا کیا کیجئے جو انہیں دنیا و آخرت دونوں جہاں کی ناکامی کی وعید سنا رہا تھا۔ یہ پولیس کے اہلکار جو دل کے چور کا شاخسانہ تھے اس لئے محبت پاش نظروں سے قافلہ کو دیکھ رہے تھے کہ وہ بھی تو مسلمان تھے۔ ۔ آخر دل تو رکھتے تھے وہ بھی گر وہاں نہیں۔

قائدین کی جانب سے قافلے کو حرکت کا اذن ملا اور چمن میں داستان کھل گیا۔ شرکاء نے افتی اور عمودی کی مخصوص ترتیب سے کی بورڈز بلند کرتے ہوئے قدم بڑھانے شروع کئے۔ راہ چلتے لوگوں کی نگاہ میں تحیر و عقیدت کی ملی جلی لہر دکھائی دی۔ گزرتی ہوئی ٹریفک کی رفتار سست ہو گئی' بسوں اور کاروں وغیرہ میں سوار لوگ "ٹک ٹک دیدم" کی تصویر بنتے اور پھر لمحہ ادراک کے گزرتے ہی ان کی آنکھوں میں طمانیت کا سا احساس دکھائی دینے لگتا جیسے تنظیم اسلامی کے مظاہرے سے ان کی کوئی ٹوٹی ہوئی آس پھر سے بندھ گئی ہو۔ قافلہ چلتا رہا اور لوگ اس میں شامل ہوتے رہے اور اس دوران موٹر گاڑیوں سے اٹھتی صدا دلوں کو گرماتی رہی۔ ع

اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے۔

شرکائے قافلہ ذکر کرتے ہوئے اسی نظم و ضبط کے ساتھ قطاروں کی مقررہ ترتیب میں اور منتظمین کی ہدایات اور لمحہ بہ لمحہ ان کی نگرانی کے تحت اللہ کے ذکر میں رطب اللسان قدم بقدم لوئر مال تھانہ کے سامنے گنج بخش روڈ پر چلتے گئے۔ حتیٰ کہ بھاٹی چوک آگیا جو کہ مظاہرے کا مقام اختتام تھا۔

لمحوں کے اندر اندر ایک بڑی بک اپ کے عقبی حصے کو اسٹیج کی شکل میں ڈھال لیا گیا۔ مرزا ایوب بیگ نے مائیک سنبھالا۔ رفقائے مظاہرہ' اہل درد' راہرو' حتیٰ کہ پولیس اہلکار تک اسٹیج کے سامنے ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اور پھر پندرہ منٹ تک ان کی آواز اس بھاٹی چوک میں گونجتی رہی جہاں پہلے ہی ٹی بورڈز اور بینرز پھیل چکے تھے اور اس چوک کا منظر

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ تراشے

کرنے کے بھی قصوروار ہیں حالانکہ اسے ختم ہوئے دو سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ " مسلمانوں کے خلاف دائمی نفرت نچلے طبقہ تک محدود نہیں رہی ' اب تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس میں شامل ہوچکا ہے اور انتقام کا جذبہ نئے سرے سے ابھرا ہے"

کانگرس کے ایک ایم ۔ پی ' مرلی دیورا جنوبی بمبئی کے ڈائننگ روم میں ہونے والی محولہ بالا گفتگو سے اتفاق نہیں کرتے اگرچہ ان کا اپنا تعلق بھی اسی علاقے سے ہے ۔ مسٹر دیورا جو ہندو ہیں ' دونوں فرقوں کے بارے میں بڑا محتاط رویہ اپناتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی باتیں حاضرین کی سمجھ سے بالا ہیں ۔ تاہم ان کا کہنا تھا کہ پولیس نے گولی ضرور چلائی مگر جہاں فرقہ وارانہ فسادات ہورہے ہوں' پولیس اور کیا کرے !۔ گذشتہ ہفتہ اس شہر کی تاریخ میں سب سے اندوہناک تھا اور حکومت نے حالات معمول پر لانے کے لئے شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس قسم کی لیپا پوتی اور مرکزی حکومت کی بابری مسجد کو بچانے میں ناکامی کی وجہ سے ہی تو بمبئی کے مسلمانوں کو زیادہ صدمہ ہوا ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ "بی۔ جے ۔ پی" جیسی فرقہ پرست ہندو تنظیموں سے مقابلہ کے لئے مسلمان آپس میں بھی ایک جا نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے پاس اس درجہ کی کوئی قیادت موجود ہے ۔ لہٰذا کانگرس کا ساتھ دینے کے سوا ان کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

محمد علی روڈ کے قریب واقع جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے تیس ہزار مسلمانوں کا مجمع تھا جہاں سب سے پہلا احتجاج بلند ہوا اور گولی چلی۔ مسجد کے امام اور بمبئی میں رہنے والے پندرہ لاکھ مسلمانوں کے مذہبی راہنما مولانا شوکت علی نذیر نے اپنے خطبہ میں امن و امان قائم رکھنے کی درخواست کی ۔ انہوں نے کہا ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہندوستان میں کئی فرقہ آباد ہیں جن میں مسلمان ' پارسی ' عیسائی ' سکھ اور ہندو سبھی شامل ہیں۔ ان کی بات درست تو ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پرانی ہوچکی ہے ' از کار رفتہ....○

بقیہ پریس ریلیز

جانے کی اندوہناک تفصیلات کا ذکر کیا اور کہا کہ مصائب و آلام زندگی کا حصہ ہیں اور سبھی انسانوں کا ان سے واسطہ پڑتا ہے لیکن مسلمانوں کو عام حالات میں بھی انہیں اسی آزمائش کا حصہ سمجھنا چاہئے جس میں سے گزرنے کے لئے انہیں زندگی کی مہلت دی گئی تاہم موجودہ صورت حال مسلمانوں کے لئے عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے جس کا مقصد ان کو خبردار کرنا اور ان کے کرتوتوں کی سزا دینا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ سارے عذاب مسلمانوں ہی کے لئے کیوں رہ گئے ہیں جبکہ غیر مسلم اقوام اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانی کے باوجود عیش وراحت میں ہیں اور دنیا پر حکومت کر رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سوال کا جواب بہت سادہ ہے بشرطیکہ ہم صرف اتنی سی بات سمجھ لیں کہ ختم نبوت کے بعد مسلمان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت ہیں اور پوری دنیا کے باقی انسان آپؐ کی امت دعوت ہیں جن تک دین پہنچانا ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ ان پر اتمام حجت نہیں کی گئی لہٰذا کم از کم اس دنیا میں وہ بری الذمہ ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اب چونکہ رسولوں کی آمد بند ہوچکی ہے لہٰذا عذاب استیصال تو قیامت تک نہیں آئے گا لیکن جزوی طور پر اور بعض علاقوں میں ایسا ہونا ممکن ہے کہ عذاب الٰہی کے نتیجے میں مکان تو کھڑے نظر آئیں لیکن مکینوں کا نشان تک مٹ جائے جس کی ایک مثال ہسپانیہ سے مسلمانوں کی جڑ کٹ جانے کی شکل میں رونما ہوچکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج مسلمان جس عذاب کی گرفت میں ہیں' وہ صرف انہی کا مقدر ہے اور غیر مسلم اقوام اس سے محفوظ رہیں گی کیونکہ ہم نے اللہ کا پیغام ان تک پہنچایا ہی نہیں۔ بحالات موجودہ تو ہماری اپنی بدعملی کے بوجھ کے علاوہ دنیا کے باقی انسانوں کے کفر و ضلالت کا بار بھی ہمارے سر پر ہے جس سے بچنے کی واحد صورت اللہ کی جناب میں توبہ اور اپنے اس فرض منصبی کی ادائیگی ہے جو حضورؐ کی امت اجابت ہونے کے سبب ہم پر عائد ہوتا ہے۔○○

بقیہ احتجاجی مظاہرہ

گویا پہلے ہی تبدیل ہوچکا تھا۔ مرزا ایوب بیگ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ : چند روز قبل ہم اپنے ازلی دشمن ہندو کے ہاتھوں بابری مسجد شہید ہونے پر اپنے غم وغصہ کا اظہار کر رہے تھے اور ساری قوم سراپا احتجاج بن گئی تھی لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ پاکستان کا مطلب ہمیں لا الہ الا اللہ بتایا گیا اور جسے اسلام کی تجربہ گاہ قرار دیا گیا اور جس کی بنیادیں مسلمان مردوں کے خون اور باحیا خواتین کی عصمتوں پر اٹھائی گئیں وہاں کی مسلمان حکومت نظریہ پاکستان ہی کو شہید کرنے پر تلی ہوئی ہے اور ہم خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ یاد رکھیے کہ پہلے نظریہ یا دین وجود میں آتا ہے پھر اس کی بنیاد پر عبادت گاہیں قائم ہوتی ہیں۔ نظریہ ہی نیست ونابود ہو جائے تو عبادت گاہیں خود بخود مسمار ہو جاتی ہیں۔ میری مراد قومی شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کے بارے میں حکومت کا اپنے وعدہ سے پھر جانا ہے۔ حکومت نے یہ پسپائی غیر مسلم اقلیتوں کے میدان میں آجانے اور مسلمان عوام کے بے حس ہونے کی وجہ سے اختیار کی۔ یعنی پاکستان جسے ہر لیڈر اسلام کا قلعہ بنانے کی قسمیں اٹھاتا ہے وہاں مسلمان شناختی کارڈ میں مذہب ظاہر کرنے کے لئے غیر مسلم اقلیتوں کی اجازت کے محتاج ہیں۔ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کیسی شریعت اور کیسا اسلام لا رہی ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کے اظہار سے بھی محروم ہو رہے ہیں۔

تاجروں کو ٹیکس لگ جائے تو وہ سڑکوں پر نکل آتے ہیں ہڑتالیں کرتے ہیں اور مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں۔ عدالتوں کے اختیارات سلب ہو جائیں تو وکیل سیاہ کوٹ پہن کر مارچ کرتے ہیں۔ مہنگائی ہو جائے تو سرکاری ملازم سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کرتے ہیں لیکن آج مسلمانوں کو اپنی شناخت ہی گم کر دینے کیلئے کہا جا رہا ہے' خود حکومت دو قومی نظریہ پر کاری ضرب لگا رہی ہے' قومیت کی بنیاد مذہب کی بجائے وطن ثابت کر کے پاکستان کی تعمیر ہی کو سوالیہ نشان بنایا جا رہا ہے لیکن اسلام اور پاکستان سے محبت کرنے والے میدان میں نہیں اتر رہے۔

مسلمانو ہوش میں آؤ اور سینہ تان کر میدان میں آؤ اور اس شان سے آؤ کہ۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

——— مغرب کا وقت ہوا چاہتا تھا رفقاء اور معاونین نے ساتھیوں کو اس دعا کے ساتھ الوداع کہا کہ باری تعالیٰ ہماری اس نہی عن المنکر کی اتنی سی کوشش کو قبول کر کے اس پر خیر اور اس کوشش کے لئے آخری درجے کی توفیق اور استطاعت کے فیصلے فرمائے۔ آمین!

(مرتب : محمد راشد)

بھارت۔ لڑائی جھگڑوں کی سرزمین

(مائیکل فادرز MICHAEL FATHERS)

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

" سچ پوچھیں تو تقسیم کے وقت ردی مال تو بھارت میں رہ گیا اور جو کام کے لوگ تھے پاکستان چلے گئے۔ اس میں استثنائات تو ہوں گی لیکن بالعموم ہندوستانی مسلمان عقل سے کورے ہیں۔ اگر آپ سننا گوارا کریں تو سنیں کہ بمبئی کا مسلمان طبقہ چور اچکوں کا مافیا ہے۔ سونے کی سمگلنگ' منشیات کا دھندا' غیر قانونی کرنسی کا کاروبار'

----اوپر سے یہ لوگ پہلے اپنے آپ کو مسلمان اور بعد میں ہندوستانی کہلاتے ہیں۔ یہ ہے ساری بات۔ یہ کسی جھونپڑی نشین کی لاف زنی نہیں بلکہ بمبئی کے پر تعیش علاقے میں ابھرنے والی ایک آواز تھی۔

انتہائی گنجان آباد شہر' بمبئی جہاں دو سو کے قریب مسلمان پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنے اور سینکڑوں کی تعداد میں بے گناہ مسلمان اور ہندو پٹرول بم کے حملوں سے اڑا دئے گئے۔ فرقہ واریت کے نتیجے میں بمبئی کا حالیہ فرقہ وارانہ فساد برسوں میں بد ترین قتل عام تھا۔

اسی بمبئی کے جنوبی حصے میں جہاں مالدار اور اونچے طبقے کے لوگ رہتے ہیں' ایک بیوہ خاتون نے جو اس چھوٹی سی دعوت کی میزبان تھیں' یہ الفاظ ادا کئے اور سوائے ایک اخبار کے سابق ایڈیٹر کے تمام شرکاء نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ایڈیٹر صاحب کو اس سے یوں اختلاف تھا کہ بمبئی کے مسلمانوں پر اقلیت میں ہونے کی وجہ سے تعلیم اور معاش کے دروازے بند تھے اور اوپر سے ہندوؤں نے مسلسل ان کا ناک میں دم کئے رکھا۔ اس لئے وہ جرائم کی راہ اختیار نہ کرتے تو کیا کرتے!۔ مگر ان ایڈیٹر صاحب کو سختی سے چپ کرا دیا گیا۔

اس علاقے کو چھوڑ کر بمبئی کے بیشتر حصے یا تو کرفیو کی زد میں تھے یا اب ہندو مہاشوں کی کارروائیوں کی وجہ سے سنسان پڑے تھے جو اپنے ان لیڈروں کی رہائی کے لئے احتجاج کر رہے تھے جنہیں ایودھیا میں بابری مسجد کو مسمار کرانے کے الزام میں دہلی میں گرفتار کیا گیا تھا۔ دعوت میں موجود تمام خواتین و حضرات جن کا تعلق اعلیٰ تعلیم یافتہ خوشحال ہندو گھرانوں سے تھا' بڑھ چڑھ کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم نے ان "موذیوں" کو بہت پال پوس لیا۔ اور ظاہر ہے کہ اشارہ ہندوستان کے بارہ کروڑ مسلمانوں کی طرف تھا' لیکن "تمہیں اب یہ تو اندازہ ہو گا کہ اب یہاں کی اونچی اور درمیانی ذات کے لوگ کس طرح ہندو مذہب کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرنے میں لگے ہوئے ہیں"

اب نچلے طبقے کی طرف آیئے' شمالی بمبئی کے مضافات میں بارہ میل ادھر ایک متعفن دلدلی علاقے میں مہاراشٹر گورنمنٹ کی قائم کردہ ایک بستی" کروادی" واقع ہے۔ یہاں ساڑھے چار ہزار کمروں میں چالیس ہزار لوگ رہ رہے ہیں۔ ایک فلیٹ کے راستہ پر پینٹ سے یہ الفاظ لکھے ہوئے ملے ----" ہندو ہونے پر فخر کیجئے--- شیو سینا"۔ تیس سال قبل قائم ہونے والی اس جنگجو ہندو جماعت کا یہ مقامی صدر دفتر ہے۔ شیو سینا کو بمبئی کے مزدور طبقے خصوصاً" پولیس کی زبردست حمایت حاصل ہے۔ وہی پولیس جسے دیکھتے ہی گولی مار دینے کا اختیار حاصل ہے اور جو مسلمانوں پر اس کا بھرپور استعمال کرتی ہے۔" کروادی" میں شیو سینا کے کرتا دھرتا' پینتیس ۳۵ سالہ اشوک سنہا کا کہنا تھا " ہماری تنظیم مسلمانوں کے خلاف قائم نہیں کی گئی بلکہ صرف پاکستان اور غیر ملکی نظریات کے خیر خواہوں کے خلاف تھی۔ تقسیم کے بعد سے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں نے کبھی بھی ہندوستانی بن کر رہنا پسند نہیں کیا' مثال کے طور پر جب بھی پاکستان کی کرکٹ ٹیم ہندوستان آئی انہوں نے پاکستانی ٹیم کے حق میں نعرے لگائے۔ ان میں ہندوستانیوں والی کوئی بات ہے ہی نہیں۔"...." تو پھر کیا وہ غیر ملکی ہیں؟"... آں ..... ہاں شاید یہی بات ہے۔"

یہاں سے قریب ہی تھوڑے فاصلے پر "بھارت نگر" ہے جسے سرکاری لوگ "گندا کھڈ" یا جھگیوں کا علاقہ کہتے ہیں۔ ٹین' گتے'' ٹاٹ اور لکڑی سے بنائی گئی جھگیوں کی یہ بستی چالیس پچاس ہزار مسلمانوں کا مسکن ہے جنہیں کہیں آنے جانے کے لئے سنہا کی بستی سے گزرنا پڑتا ہے۔ جب بابری مسجد کے ڈھائے جانے کی خبر ان مسلمانوں کو پہنچی تو انہوں نے وہاں قائم پولیس چوکی پر پتھراؤ کیا اور ایک بس کو آگ لگا دی مگر انہوں نے قریب میں ہندوؤں کی بستی میں کسی کو نہیں چھیڑا کیونکہ انہیں تو حکومت سے شکایت تھی جس نے مسجد کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔ لیکن پولیس نے گولی چلا کر تین مسلمانوں کو مار دیا۔ پولیس کا کہنا تھا کہ انہیں اپنے دفاع میں گولی چلانا پڑی۔ دوسرے روز دس مسلمان پولیس کی گولی کا نشانہ بنے اور اس طرح اگلے روز بھارت نگر میں " خاموشی" رہی۔

یہی کارروائی اس طرح کی دوسری بستیوں میں دہرائی گئی جسے " شرپسند عناصر" کے حملوں کا نام دیا گیا مگر دراصل مقابلہ پولیس اور مسلمانوں کے درمیان تھا جہاں پولیس نے اپنے آپ کو "بچانے" کے لئے انہیں قتل کیا۔ صدمہ تو اس بات کا ہے کہ مسلمانوں کو گولی سے اڑانے والی پولیس ہندو مہاشوں کے ہاتھوں بابری مسجد کی تباہی کے موقعہ پر خاموش تماشائی بن کر کھڑی رہی۔ مسلمان راہنما جائز طور پر اپنے مستقبل سے مایوس دکھائی دیتے ہیں۔ کانگریس (آئی) بھی اپنی بقاء کے لئے ہندوؤں کی محتاج ہے اس لئے ان کی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تو اب کون سی سیاسی جماعت مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنے کو تیار ہو گی!۔

مسلمانوں پر ہندوستان کو تقسیم کروانے کا ہی الزام نہیں' وہ ہندوؤں پر پانچ سو سال تک حکومت

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

پریس ریلیز

اجتماعی توبہ سے عذاب ٹل سکتا ہے

بابری مسجد کی شہادت ہندومت کے احیاء کی تحریک کے عروج کی علامت ہے

لاہور۔ ۸ر جنوری: امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ بھارت میں ہندو بنیاد پرستی کا اصل ہدف پاکستان ہے ورنہ ہندوستانی مسلمان تو پہلے ہی ان کے پاس یرغمال ہیں جن کی قیمت پر ہم نے یہاں عیش و آرام کے ایوان سجائے ہیں لہٰذا اصل سزا بھی ہمیں ملے گی۔ وہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کررہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ بابری مسجد کی شہادت ہندومت کے احیاء کی تحریک کے عروج کی علامت ہے جس نے بھارتی سیکولرزم کو آخری شکست دی اور خود کانگریس کو بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے خبردار کیا کہ بھارت کا کٹر ہندو اب افغانستان سے انڈونیشیا تک پراچین بھارت کے قیام کا خواب دیکھ رہا ہے جس کی راہ میں پاکستان نام کی ایک ہی رکاوٹ ہے ورنہ اس پورے خطے میں اس کی بالادستی کو اور کون چیلنج کرسکتا ہے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ پاکستان کے مسلمانوں نے اپنے ملک میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کی علمداری سے مجرمانہ اغماض برت کر نہ صرف اقبال اور قائداعظم کے مشن سے غداری کی بلکہ ہندوستان میں اکثریت کے رحم وکرم پر رہ جانے والے مسلمانوں کے نہ ختم ہونے والے مصائب کا بار بھی اپنی گردن پر لے لیا ہے جو سقوط ڈھاکہ کے بعد سے پاکستان کے جذباتی سہارے سے بھی محروم ہوگئے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بھارتیوں کے وفود اس تحقیق کے لئے سپین تک جاتے رہے ہیں کہ اس خطہ ارض سے مسلمانوں کا نام و نشان کیسے مٹایا گیا کیونکہ یہی مہم انہیں بھی درپیش ہے۔ اسرائیل سے بھارت کا گٹھ جوڑ پہلے ڈھکا چھپا تھا، اب پوری طرح کھل کر سامنے آگیا ہے جس میں اشتراک عمل کی بنیاد اسلام اور مسلمانوں سے عداوت ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے اندیشہ ظاہر کیا کہ بابری مسجد کی شہادت ایک نظیر ثابت ہوسکتی ہے جس کے بعد یہی حشر مسجد اقصیٰ کا ہونے والا ہے کیونکہ صیہونیوں نے بھی دیکھ لیا کہ بابری مسجد کے سانحے پر مسلمانوں کی کسی ایک حکومت نے بھی بھارت کو سفارتی تعلقات توڑنے تک کی دھمکی نہیں دی۔ انہوں نے کہا کہ خود ہمارے حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ ہم پل صراط پر سے گزر رہے ہیں۔ عذاب کے آثار نظر آنے لگے ہیں تاہم ابھی ہمارے پاس ایک موقع موجود ہے کہ قوم یونس کی طرح آخری وقت میں ہی توبہ کرلیں۔ جس اجتماعی توبہ سے یہ عذاب ٹل سکتا ہے اس کے تقاضے بتاتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہمیں کتاب ہدایت کی طرف رجوع کرنا اور رہنمائی کے حصول کے لئے صبر اور یقین کے ساتھ قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا ہوگا اور اس کے ساتھ پورے کے پورے دین کو قائم کرنا ہوگا جسے اقامت دین کا کام کرنے والے پہلے اپنی زندگیوں پر نافذ کریں۔

شناختی کارڈ پر مذہب کے اندراج کے معاملے میں حکومت کی قلابازیوں کی مذمت کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ آئی جے آئی کی حکومت کی طرف سے یہ طرز عمل حد سے زیادہ شرمناک اور پرلے درجے کی ڈھٹائی ہے اور اس معاملے پر پسپائی سیکولرزم کی منزل کی جانب ایک اہم سنگ میل ثابت ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اپنا مذہب چھپانا محض قادیانیوں کا مسئلہ ہے ورنہ عیسائی تو دھڑلے سے اپنے مذہب کا اعلان کرتے ہیں جن کی شناخت اگر شناختی کارڈ پر ہو تو ان کا اس میں کوئی نقصان نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عیسائی اقلیت کو مٹھی بھر مرزائیوں نے بڑی عیاری سے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ ○○

امریکہ اسلام کے خلاف سیکولر اور نیم سیکولر قوتوں کو جمع کردینا چاہتا ہے

لاہور۔ ۱۵ر جنوری: ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی پاکستان نے کہا ہے کہ قومی اسمبلی کی امور خارجہ سے متعلق کمیٹی کی چیئرپرسن کے طور پر بے نظیر بھٹو کا متفقہ انتخاب کوئی لطیفہ ء غیبی نہیں بلکہ مفاہمت کی طرف یہ قدم امریکہ کے اشارے پر اٹھایا گیا ہے جو یہاں اسلام کے خلاف سیکولر اور نیم سیکولر قوتوں کو جمع کردینا چاہتا ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے یاد دلایا کہ کچھ ہی دنوں پہلے ان کی طرف سے تازہ عام انتخابات کا مطالبہ کیا گیا تھا کیونکہ ملک میں لادینی طبقات اپنی قوت جمع کررہے ہیں اور اس مقصد میں ان کی کامیابی سے پہلے پہلے اگر ایک اور الیکشن ہوجائے تو دینی عناصر کے لئے اسلام کے نام پر کوئی نہ کوئی کردار ادا کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس غرض کے لئے بھی پاکستان کے دینی عناصر کو دو واضح طور پر الگ محاذوں پر جمع ہونا ہوگا۔ ایک محاذ ان دینی مذہبی جماعتوں کا ہونا چاہئے جو تاحال اس خیال پر قائم ہیں کہ انتخابی سیاست کے ذریعے بھی یہاں اسلام کی کوئی خدمت کی جاسکتی ہے اور دوسرا محاذ اسلامی انقلاب کے ان علمبردار طبقات کا ہو جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ نفاذ اسلام کے لئے موجودہ نظام زندگی میں جس بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے وہ صرف مزاحمتی تحریک کے ذریعے لائی جاسکتی ہے۔

قبل ازیں امیر تنظیم اسلامی نے کشمیر اور بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی، عراق پر تازہ ترین امریکی جارحیت اور بمبئی میں مسلمانوں کے قتل عام اور ان کی املاک کے بے دریغ نذر آتش کئے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)